Al-Qawārīr - Vol: 06, Issue: 03,
April-June 2025

OPEN ACCESS
Al-Qawārīr
pISSN: 2709-4561
eISSN: 2709-457X
Journal.al-qawarir.com

تعلقِ زوجین میں اتفاق وافتراق کے بنیادی عوامل کا شرعی ہدایات کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ

An analytical study of the basic elements of coincidence and separation in conjugal relationships in the light of Shariah guidelines

Dr. Moazzam Ali
Faculty Member, Edarah Nehj-ul-Qurʾān, Sharaqpur Sharif, Sheikhupura, Pakistan.

ABSTRACT

Marriage (nikah) in Islam is a sacred covenant rooted in divine guidance and moral responsibility, designed to foster love, harmony, and spiritual fulfillment between spouses. However, like all human relationships, conjugal bonds can experience moments of unity (coincidence) as well as divergence (separation), each governed by specific principles outlined in Islamic Shariah. This analytical study delves into the foundational elements that contribute to both the cohesion and dissolution of marital relationships, examining them in light of Shariah guidelines. The concept of coincidence (ittifaq) in marital life refers to emotional, physical, intellectual, and spiritual harmony between spouses. Islam encourages this coincidence through mutual rights and responsibilities, compassion, consultation, and conflict resolution mechanisms such as arbitration. The Qur'an emphasizes that spouses are garments for one another, symbolizing intimacy, protection, and mutual dependence. This study identifies key elements that promote marital coincidence: sincerity of intention, communication, mutual respect, sexual fulfillment, financial responsibility, and religious compatibility.

Keywords: *Foster Love, coincidence, separation, consultation, conflict*

تعارفِ موضوع

تعلق، ربط، رشتہ وناطہ سبھی الفاظ انسان کے باہمی معاملات کو عیاں کرنے کے لیے مستعمل ہوتے ہیں۔ کہیں یہ تعلق خونی رشتوں کی نسبت سے ہوتا ہے اور کہیں پر پختہ عہد وپیمان کرلینے کے بعد دوستی کے روپ میں وجود پاتا ہے، کہیں یہ مختلف نسبی رشتے والدین، بھائی بہن اور چچا، پھوپھو یا خالہ وماموں کی صورت میں نظر آتا ہے اور کہیں صحبتِ یارواں کی شکل میں زندگی کی بگڈنڈیوں میں حوصلہ بڑھاتا ہوا دیکھائی دیتا ہے۔ مختصراً کہا جائے تو ہر انسان، دوسرے انسان سے کسی نہ کسی تعلق، ربط یا رشتہ وناطہ سے منسلک ہے۔ چاہے اس کا جہان کیسا بھی ہو اور اس کا تعلق کسی بھی ذات وبرادری سے ہو، وہ دیگر انسانوں سے ہر حال میں جڑا ہوا ہے اور اس کا اِن تعلقات سے بچ کر رہ پانا

CC BY

ممکنات میں سے نہیں کہ بہر حال کسی کا بیٹا یا بیٹی ہونا تو لازمی امر ہے لہذا کہا جاسکتا ہے کہ انسان ایک سماجی جاندار ہے جو ہمیشہ جڑ کر رہے گا۔ انہیں رشتوں، ناطوں میں سے ایک تعلق زوجین کا بھی ہے جو کبھی خونی رشتوں کے باہم ملاپ سے وجود پاتا ہے اور کبھی دوسری ذات وبرادری سے بھی قائم ہو جاتا ہے لیکن تمام تعلقات سے بڑھ کر خوبصورت تعلق یہی گردانا جاسکتا ہے۔ کیونکہ والدین بھی ایک وقت کے بعد جدائی کا غم دے جاتے ہیں اور بھائی و بہن بھی ذاتی مصروفیات میں مگن ہو جاتے ہیں اوراولاد کی بات کی جائے تو وہ بھی ایک عرصہ گزرنے کے بعد، زندگی کی جدوجہد میں مصروف ہو جاتے ہیں جس کے سبب دیگر امورِ خانہ کی طرف متوجہ نہیں ہو پاتے۔ تو دیکھا جائے یہ واحد رشتہ ہوتا ہے جو زندگی کے نشیب وفراز، لڑائی و جھگڑا اور صلح وصفائی کے کٹھن مراحل سے گزرنے کے بعد رواں دواں رہتا ہے اور دونوں فریقین کو بالآخر باہم مل وجل کر رہنا پڑتا ہے، سانسوں کی ڈوری بندھی رہے تو بڑھاپا بھی ساتھ گزارنے کا موقع ملتا ہے اور عمر کا یہی عرصہ اگر ہمنوا وساتھی کے ساتھ میں گزرے تو دکھ و تکلیف خاصی حد تک کم پریشان کرتے ہیں ورنہ اس کی برعکس صورت میں لوگوں کو جوانی کی عمر میں بڑھاپے کی دہلیز پر قدم رکھتے دیکھا گیا ہے اور باقی جو گزری وہ ایک اذیت ناک داستان بن جاتی ہے جسے بیان کرنا جتنا تکلیف دہ عمل ہوتا ہے، چھپانا اُس سے کئی گنا زیادہ دشوار گزار مرحلہ ہوتا ہے۔ عصر حاضر کے دیگر مسائل کے ساتھ ساتھ سماج کو زوجین جیسے تعلق کو برقرار رکھنے میں بھی کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑرہا ہے۔ کہیں ذاتی بغض وعناد کی بھینٹ چڑھا دیا جاتا ہے اور کہیں دونوں کی کم عقلی آڑے آجاتی ہے، کہیں خاندانی تفاوت علیحدگی کا سبب بن رہا ہے اور کہیں عمروں کا تضاد رشتے توڑے جارہا ہے اور اسی سے جڑے آج کے اہم ترین عنصر جسے سوشل میڈیا کہا جاتا ہے وہ اپنی کارستانیوں کے باعث ذہنی انتشار وخلفشار پیدا کرنے میں منفی کردار ادا کررہا ہے۔ الغرض زوجین میں اتفاق پیدا کرنے والے عوامل کم ہوتے جارہے ہیں اور افتراق پیدا کرنے والوں کا تانتا بندھا ہوا ہے جو اس رشتے کی بنیادیں کھوکھلی کرنے میں سرتوڑ کوششیں جاری رکھے ہوئے ہیں۔ رشتوں کی بحالی کے لیے یہ لازمی امر ہوگیا ہے کہ اُن عوامل کو عیاں کیا جائے جن سے واضح ہوسکے زوجین کو کن باتوں پر عمل پیرا ہو کر اپنے تعلق کو مضبوط سے مضبوط تر بنانا ہے اور کون کونسے عناصر ایسے ہیں جن سے خود کے دامن کو بچا کر رکھنا ہے تاکہ تعلق زوجین کا تقدس بحال رہے اور زندگی کا سفر خوش اسلوبی سے مکمل کیا جاسکے۔ درجہ ذیل میں ان عوامل کا ذکر کیا جارہا ہے۔

مبحث اول: اتفاق پیدا کرنے والے عوامل

1۔ انسیت ومودّت

تعلق زوجین میں سب سے اہم پہلو آپس میں انس ومودّت کا قائم ہونا ہے۔ جس طرح ایک انسان اپنے وجود، لباس اور دیگر پہناوے پسند کرتا ہے کہ وہ صاف وستھرے اور خوصورت دیکھیں بعینہ اس تعلق کا بھی معاملہ ایسا ہے۔ کیونکہ انہیں ایکدوسرے کا لباس ہی قرار دیا گیا ہے جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے کہ

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ[1]

وہ تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس ہو۔

تو لباس جہاں انسان کو خوبصورت دیکھاتا ہے وہیں اُس کے جسمانی عیبوں کو چھپانے میں بھی اہم کردار ادا کرتا ہے۔ دوستوں کی محفل ہو یا سماجی معاملات کا جم غفیر، انسان کا لباس ہی اسے باوقار بناتا ہے اور کبھی ایسا ممکن نہیں ہوتا کہ فرد نے جو کچھ چاروناچار زیبِ تن کیا ہوا ہو،

اُسی کے بارے میں عجیب جوئی بھی کرتا پھرے۔ کیونکہ سننے والوں نے عمل پر نظر رکھنی ہوتی ہے اگر لباس میں خود ہی عیب بتانے لگیں گے تو لوگ متنفر ہونا شروع کر دیں کہ عجب بندہ خدا ہے کہ پہنا بھی ہوا ہے اور خود ہی اس کے تنگ ہونے کا شکوہ بھی کیے جارہا ہے۔ اگر لباس میں کوئی خامی محسوس ہوتی ہے، اُسے زیب تن کرنے کے بعد وجود کو تنگی ہونے لگی ہے جو دم گھٹنے کا سبب بن رہی ہے تو درزی سے رابطہ کیا جائے تاکہ اس خامی کو دور کیا جاسکے نہ کہ لباس کو تار تار کر دیا جائے۔

اسی طرح اگر زوجین میں معاملات خوش اسلوبی سے رواں دواں نہیں ہو رہے تو سربراہان کو بیچ میں لایا جائے اور صلح وصفائی سے تعلق کو آگے بڑھایا جائے کیونکہ اس بارے میں اسلام بھی رہنمائی فراہم کرتا ہے کہ

> وَ اِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَاۚ-اِنْ يُّرِيْدَاۤ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَاؕ[2]
>
> اور اگر تم کو میاں بیوی کے جھگڑے کا خوف ہو تو ایک مُنْصِفْ مرد کے گھر والوں کی طرف سے بھیجو اور ایک مُنْصِفْ عورت کے گھر والوں کی طرف سے (بھیجو) یہ دونوں اگر صلح کرانا چاہیں گے تو اللہ ان کے درمیان اتفاق پیدا کر دے گا۔

لیکن یہاں بھی معاملہ سلجھانے کی بجائے الجھانے کی تگ ودو کی جاتی ہے کیونکہ فریقین اپنی اپنی طرف سے وہی گواہان مقرر کریں گے جو خاندان یا سماج میں سب سے زیادہ جھگڑالوں طبیعت کے حامل ہوں گے تاکہ ایک دوسرے کو منہ توڑ جواب دیا جاسکے۔ انہیں پنچائیت میں، جرگہ میں یا عدالت میں رسواہ کیا جاسکے اور بامر مجبوری مخالف اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے سرِ تسلیم خم کر دے اور باقی ماندہ زندگی احسان تلے دبہ رہنے کے سبب گردن جھکائے رکھے تاکہ ذاتی انا کو تسکین حاصل ہوتی رہے جبکہ تھوڑا غور وفکر کیا جائے تو یہ طرز عمل رشتوں، ناطوں کو عارضی طور پر جوڑے رکھے گا لیکن باہم تنازعات کا مستقل حل نہیں بن سکتا کیونکہ کچے دھاگے سے بندھے رشتے، ہلکا سا تناؤ آنے سے کمزور ہونے لگتے ہیں جن کا انجام کار ٹوٹ جانا ہی ہوتا ہے لہذا فریقین کو باہمی معاملات کامل فہم وفراست سے حل کرنے چاہیے تاکہ بندھن بندھا رہے اور زندگی کا سفر آہستہ آہستہ چلتا رہے۔

2۔ صبر واستقامت

صبر و تحمل اور برداشت ایسی صفات ہیں جن کے ذریعے دشمنِ جاناں کو بھی دوست بنایا جاسکتا ہے جیسا کہ سیرت نبوی ﷺ کے واقعات سے کئی اسباق ایسے ملتے ہیں کہ جن سے واضح ہوتا ہے کہ وہ اشخاص جو پہلے پہل اسلام کے سخت مخالف بنے ہوئے تھے بعد ازاں آپ کے اسواہ حسنہ سے متاثر ہو کر جان ہتھیلی پر رکھ کر گھوما کرتے کہ کب اِذن ملے اور نثار کر دیں اور یہ سب آپ ﷺ کے صبر و تحمل اور استقامت کے سبب ہی ممکن ہو پایا کیونکہ

> وَ لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ[3]
>
> اور اگر آپ تُرش مزاج، سخت دل ہوتے تو یہ لوگ ضرور آپ کے پاس سے بھاگ جاتے

پس واضح ہو گیا آپس کے مراسم میں دیرپا بہتری لانے، محبت کو پروان چڑھانے کے لیے اور کدورتوں کو کوسوں دور بھگانے کے لیے صبر واستقامت کا دامن مضبوطی سے تھامنا ہو گا لیکن عصر حاضر میں زوجین کے تعلق کو مشاہدہ میں لایا جائے تو اسی عنصر کی کمی انتہائی نچلی سطح تک دیکھائی دیتی ہے کہ بات بات پر قطع تعلق کر لیا جاتا ہے حتی کہ ہاتھوں پر لگی مہندی کا رنگ پھیکا نہیں پڑتا اور طلاق دینے تک کی نوبت آن پہنچتی ہے تو جہاں نوخیز اذہان کو اس حوالے سے آگاہی دینے کی بھی شدید ضرورت محسوس ہوتی ہے وہیں سربراہان خانہ کی اوّلین ذمہ داری بھی بنتی ہے کہ نکاح جیسے بندھن میں باندھنے سے قبل اولاد کو صبر و تحمل کا سبق بھی یاد کروایا جائے اور بتایا جائے کہ ازدواجی زندگی میں استقامت، ٹھہراؤ اور راحت خراماں خراماں آتی ہے جس کے لیے صبر وبرداشت کا مادہ انسانی فطرت میں پروان چڑھایا جانا چاہیے اور جذباتیت اور وقتی غبار سے مغلوب ہر گز نہیں ہونا چاہیے تا کہ باہمی تعلق میں دراڑ واقع نہ ہونے پائے۔

3۔ جذبہ ایثار

تعلق زوجین میں ایثار کے عمل کو بھی بنیادی اہمیت حاصل ہے کیونکہ اس کے بغیر نفسا نفسی کا عالم پیدا ہو جاتا ہے جس میں صرف ذاتی مفادات کا حصول متمع نظر ٹھہرتا ہے نہ کہ ہمنوا ساتھی کی ضروریات کو بھی پیش نظر رکھا جائے۔ اسلام اپنے متبعین کو ایثار کرنے کی ترغیب دیتا ہے تا کہ تعلقات میں صرف خود غرضی غالب نہ ہو جائے اور سیرت نبوی ﷺ اور سیرت صحابہ کرامؓ میں متعدد واقعات ملتے ہیں جن سے عیاں ہوتا ہے کہ وہ خود کی ذات کو پس پشت ڈال کر دوسروں کے لیے ایثار کرتے جس کی واضح مثال میثاق مدینہ اور مہمان نبی ﷺ کی مہمان نوازی صحابیؓ رسول و اس کی زوجہ کی سیرت کی صورت میں دیکھی جاسکتی ہے کہ صحابہ کرامؓ نے نہ صرف مالی قربانیاں بخوشی پیش کیں بلکہ جس کی دو زوجہ تھیں، اس نے پیش کش کی کہ مہاجر صحابیؓ اگر رضامندی ظاہر فرمائیں تو ایک کو طلاق دے کر ان کے نکاح میں بھی دیا جاسکتا ہے حالانکہ یہ اختیاری معاملہ تھا لیکن ایسا ایثار کسی بھی لٹریچر اور قومی روایات میں نہیں ملتا جس کی مثالیں صحابہ کرامؓ نے عملی طور پر پیش کیں کیونکہ انہی کا خاصا مندرجہ ذیل آیت مبارکہ میں بیان کیا گیا ہے کہ

وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۗ وَ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ[4]

ور وہ اپنی جانوں پر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ انہیں خود حاجت ہو اور جو اپنے نفس کے لالچ سے بچالیا گیا تو وہی لوگ کامیاب ہیں۔

تو جہاں صرف رشتہ اخوت قائم ہونے سے ایثار کرنے کی لازوال مثالیں قائم ہوئیں، وہیں رشتہ زوجین کہیں بڑھ کر متقاضی ہے کہ یہاں ایثار کو حتی الوسع امکانی حد تک پروان چڑھایا جائے اور جس رشتے کو توڑنے کے لیے شیاطین اپنی پوری کوشش بروئے کار لاتے ہیں اسے مضبوط کیا جائے کیونکہ قصہ ہاروت وماروت میں دیگر جہات کے ساتھ ساتھ ایک یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ لوگ ان سے سحر سیکھنے کے علاوہ ایسے عمل بھی سیکھتے جس کے ذریعہ سے زوجین میں تفریق پیدا کی جاسکے جیسکہ

فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ زَوْجِهٖ ؕ وَ مَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ يَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَ لَا يَنْفَعُهُمْ ؕ[5]

تو ان سے سیکھتے وہ جس سے جُدائی ڈالیں مرد اور اس کی عورت میں اور اس سے ضرر نہیں پہنچاسکتے کسی کو مگر خدا کے حکم سے اور وہ سیکھتے ہیں جو انہیں نقصان دے گا نفع نہ دے گا

لہذا زوجین کو آپس میں ایثار کے جذبے کو بڑھاوا دینا چاہیے کہ ایک فریق اگر کبھی جذباتی ہو جائے، کہیں مشکل میں پھنس جائے، کوئی ضرورت وحاجت بروقت پوری نہ کر پائے تو زمین وآسمان کے قلابے نہ ملا دیے جائیں اور اسی طرح دوسرے فریق کو بھی یہ ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ یہ تعلق عارضی بنیادوں پر قائم نہیں کیا گیا کہ جیسے وتیسے کرکے وقت گزار لیا جائے اور جائز حاجات کو بھی پورا نہ کیا جائے بلکہ یہ تادم مرگ چلنے والا تعلق ہوتا ہے اور اِسی کی بنیاد پر بہتر مستقبل کی امید قائم کی جاسکتی ہے پھر چاہے اس کا تعلق معاشی استحکام سے ہو یا اولاد کی صورت میں بہتر تربیت کا مرحلہ در پیش ہو، دونوں کے باہمی ایثار سے ہی احسن انداز میں اہداف ومقاصد کا حصول ممکن بنایا جاسکتا ہے اور خودغرضی کا قلع قمع کیا جاسکتا ہے تاکہ رشتہ زوج کا حسن نکھر کر سامنے آئے اور دوسروں کے لیے مشعل راہ کی صورت اختیار کر جائے۔

4۔ترجیح دینا

یہ بھی ایثار کرنے کا دوسرا پہلو ہی ہے جسے انگریزی زبان میں priority سے تعبیر کیا جاتا ہے، ایثار میں انسان اپنا حق قربان کرتا ہے اور اسے واپس پانے کی امید باقی نہیں رکھتا۔ جو قربان کر دیا، اسے ماضی کا حصہ بنا دیا جاتا ہے جبکہ ترجیح دینے کے عمل میں بنیادی فرق یہی ہے کہ ایک فرد اپنے حق کو مؤخر کرلیتا ہے اور دوسرے کے حقوق کو پہلے ادا کرنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ وہ اپنے معاملات کو احسن انداز میں ترجیح بنیادوں پر حاصل کرلے اور وہ فرد کہ جس نے اپنا حق مؤخر کیا ہوتا ہے وہ بعد میں اپنا حق پورا حاصل کرلے، اس طرح دونوں کے حقوق ادا ہو جاتے ہیں اور تعلقات میں بھی شائستگی پیدا ہوتی ہے اور دونوں کے دلوں میں ایکدوسرے کے لیے عزت واحترام کا مقام بڑھ جاتا ہے اور مستقبل میں ماضی کی نسبت ترجیح دینے کا رجحان غالب تر ہوتا جاتا ہے جو کہ رشتوں، ناطوں اور مراسم میں پائیداری کی ضمانت بن جاتا ہے بعینہ تعلق زوجین میں اتفاق کے ماحول کو پروان چڑھانے کے لیے اس کا بھی بنیادی کردار ہے۔ مقامی سماجی روایات کو مد نظر رکھا جائے تو ممکنات میں سے ہے مرد حضرات ملازمت کا پیشہ اختیار کرتے ہیں یا پھر کاروبار سے منسلک ہوتے ہیں۔ دن بھر انہیں اپنی نوکری یا کاروباری مصروفیات میں مشغول رہنا ہوتا ہے اور عورتیں زیادہ تر گھریلو معاملات کو چلا رہی ہوتی ہیں۔ اب اسی پہلو کو لے کر کوئی شیطان صفت فرد فریقین کے ذہنوں میں ایسی باتیں منتقل کرنا شروع کر دے کہ عورت تو سارا دن گھر کے کام وکاج میں پھنسی رہتی ہے اور مرد حضرات دن بھر دنیا جہاں گھوم کر آتے ہیں تو عورت بیچاری کا کیا قصور ہے کہ وہ ایک قیدی کی مانند زندگی گزارتی رہے اور مرد عیاشیاں کرتا پھرے؟

ایسے شیطان صفت دماغ عارضی طور پر لوگوں کے ذہنوں میں تشکیک کا عنصر پیدا کرتے ہیں اور جب معاملات تنازعات کی حد تک بگڑ جاتے ہیں تب کنارہ کشی اختیار کرلیتے ہیں کہ انہوں نے تو صرف مشورہ دیا تھا، عمل کرنے کا نہیں کہا تھا۔ لہذا نہ یہ خود کہیں سکون سے بیٹھ سکتے ہیں اور نہ ہی دوسروں کی زندگیوں میں سکون آنے دیتے ہیں جس کے سبب عین ممکن ہے کہ زوجین میں تفریق ہو جائے اور ایک خوشحال گھر برباد کر دیا جائے۔ لہذا فریقین کو کامل فہم وفراست کو بروئے کار لانا چاہیئے اور ایسے عناصر سے اپنے دامن کو بچا کر رکھنا چاہیے کیونکہ افتراق پیدا ہونے کے بعد کے جو مسائل ہوتے ہیں ان سے نبرد آزما خود ہی ہونا پڑتا ہے، کوئی فریق آکر حوصلہ نہیں دیتا اور نہ ہی کسی

کے پاس اتنی فرصت ہوتی ہے کہ وہ تمام زندگی آپ کے دکھ و غموں کو لے کر بیٹھا رہے اور طفل تسلیاں دیتا رہے۔ لہذا رشتے میں ترجیح کے عمل کو شامل کیا جائے۔

اور اگر مرد ملازمت یا کاروبار سے منسلک ہے تو عورت کو چاہیے کہ اس شوہر کے اُن اوقات میں جن میں اُس نے گھر سے باہر مصروفیات کے لیے نکلنا ہوتا ہے، اُن اوقات میں شوہر کے کاموں کو خود سے جڑے امور پر ترجیح دے اور اُس کا ہاتھ بٹائے تاکہ وہ اپنی ذمہ داریوں کے لیے زیادہ سے زیادہ وقت نکال سکے اور جہاں پہنچنا مقصود ہو وہاں بروقت پہنچ جائے اور جسمانی و ذہنی سے لحاظ سے خود کو خوش قسمت سمجھے کہ رب تعالیٰ نے انہیں زندگی کا ہمسفر ایسا عطا فرمایا ہے جو اُس کی ضروریات کو ذاتی ضروریات سے مقدم رکھتا ہے۔ اس سے ایک تو دونوں میں الفت و محبت کا رشتہ قائم ہو تا جائے گا اور آپس میں احترام کا بندھن بندھے گا اور ایکدوسرے کی حقوق کو زیادہ دلجمعی کے ساتھ ادا کرنے کی طرف رغبت بڑھے گی اور اسی طرز پر شوہر حضرات کو بھی ایسا رویہ اختیار کرنا چاہئے کہ اگر زوجہ کی ملازمت یا کاروباری مصروفیات ہیں تو اُن اوقات کا خاص خیال رکھا جانا چاہئے جن اوقات میں اُس نے اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لیے گھر کی دہلیز سے باہر قدم رکھنا ہے۔ اُسے ترجیح بنیادوں پر فرصت کے لمحات مہیا کیے جانے چاہئے کہ وہ اپنی تیاری کو خوشدلی، باہمی اتفاق اور کامل یکسوئی سے مکمل کرلے تاکہ اُس کے کندھوں پر جن ذمہ داریوں کا بوجھ ہے وہ انہیں پورا کرسکے اور شوہر حضرات کو اس حوالے سے مکمل تعاون فراہم کرنا چاہیے تاکہ دونوں ایکدوسرے کا سہارا بن سکیں اور زندگی کے سفر کو خوش اسلوبی سے منزل مقصود کی طرف جاری رکھ سکیں۔

5۔خاموشی اختیار کرنا

زمانہ ماضی میں زبان زدِ عام محاورہ ہوا کرتا تھا کہ خاموشی، ہزار نعمت ہے کہ انسان اگر اپنی سوچ وبچار کو بروئے کار لاتے ہوئے حکمت و دانائی کے ساتھ اپنی زبانِ حال کو استعمال میں لائے تو کئی مقامات پر خاموش رہنا اسے لاتعداد مصائب سے محفوظ رکھ سکتا ہے کیونکہ انسان بعض اوقات کسی مصلحت کے تحت خاموش رہنے کو ترجیح دیتا ہے یا اپنی کم علمی کی بنیاد پر خاموش رہتا ہے تاکہ مجلس میں، محفل میں اس کا بھرم قائم رہے کیونکہ عمومی طور پر انسان اپنے طرزِ کلام کی بنیاد پر ہی پہچانا جاتا ہے کہ اس کی فہم و فراست کی حدود قیود کیا ہیں؟ اور علمی و فکری لحاظ سے کس مقام و مرتبہ پر فائز ہے جبکہ فرمان نبوی ﷺ بھی ہے کہ

مَنْ صَمَتَ نَجَا[6]

جو خاموش رہا اس نے نجات پائی

لیکن مذکورہ بالا بحث سے یہ نتیجہ ہرگز اخذ نہیں کیا جاسکتا کہ انسان ہر حال میں اور ہر صورت میں صرف خاموش رہنے کو ہی ترجیح دیتا رہے، چاہے اس کے سامنے ظلم کے پہاڑ توڑ دئے جائیں اور ناانصافی کا دور دورہ ہوتا رہے اسے صرف خاموش رہنا ہے، اسلام ایسی خاموشی جو کسی ایک فریق کی جان کو خطرات لاحق کردے اس کی اجازت ہرگز نہیں دیتا کیونکہ اگر خاموشی اختیار کرنا ہی مطلوب و مقصود ہوتا تو جابر و ظالم حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنے کو جہاد کا رتبہ نہ دیا جاتا جیسا کہ فرمان نبوی ﷺ ہے کہ

إِنَّ مِنْ أَعْظَمِ الجِهَادِ كَلِمَةَ عَدْلٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ[7]

ظالم بادشاہ کے سامنے حق کہنا سب سے بہتر جہاد ہے

پس واضح ہوا کہ بعض اوقات کلام کرنا بھی جہاد کے زُمرے میں آتا ہے لہذا اُن اوقات کا تعین انسان اپنی فہم وفراست سے متعین کرے گا کہ کہاں اسے خاموشی اختیار کرنی ہے اور کہاں کلمہ حق ادا کرنا ہے عمومی طور پر اس فرق کو سمجھنے کے لیے کچھ اس انداز سے بیان کیا جاسکتا ہے کہ جہاں انسان کی ذاتی مفادات اجتماعی مفادات سے متصادم ہوں وہاں خاموشی اختیار کی جانی چاہیے کیونکہ وہاں امت سے جڑے ہوئے مسائل کو حل کرنے کی جدوجہد کی جارہی ہوتی ہے تاکہ مفاد عامہ کے حصول کے لیے کوئی راہ متعین کی جاسکے جسے اجتہادی خطا سے تعبیر کیا جانا ممکن ہے تاکہ کسی محفل میں مجتہدین اکٹھے ہوتے ہیں تاکہ اجتماعی مسلہ کو مثبت انداز میں حل نکالا جاسکے، وہاں اگر ذاتی رائے مجموعی رائے کے بر خلاف ہو تو خاموشی اختیار کرنی چاہیے تاوقتیکہ مخالف رائے کا ساتھ بھی لوگ کثیر تعداد میں دینے لگیں

اور اسی بحث کا دوسرا پہلو کہ جب بات دین وملت کی آجائے اور اجتماعی رائے بھی دین کی مصدری تعبیرات و تشریحات کے صریحاً مخالف سمت میں ہو تو وہاں کلمہ حق کہنا بہتر از خاموشی ہے کیونکہ وہاں خاموشی زہر قاتل کی مثل ثابت ہوسکتی ہے۔وہاں دین کی اساسیات پر بات آن پہنچی ہے اور جہاں دین کی اساسیات کی بات آجائے پھر انسان کو کسی بھی طرح کی مصلحت کا شکار نہیں ہونا چاہیے اور کسی بھی شخص کے اقتدار واختیار سے مرعوب ہو کر حق کو چھپانا نہیں چاہئے۔ان دونوں تفریقات کو پیش نظر رکھا جائے تو عام فہم کی بات ہے کہ انسان کو خاموشی اور کلام کے اظہار میں جو فرق ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے وہ کب، کہاں اور کس انداز میں بروئے کار لایا جانا چاہیے ؟ اس سے واقفیت ہو جائے گی۔

اور اگر اسی طرز کلام کا اطلاق تعلق زوجین کے مابین کیا جائے تو کافی سارے مسائل کو بآسانی حل کیا جاسکتا ہے کہ بعض اوقات کوئی ایسی سنجیدہ صورت حال سے سامنا ہو جاتا ہے جہاں ایک فریق کو خاموشی اختیار کرنی چاہیے لیکن جذبات کی رو میں بہتے ہوئے دونوں ہی مسلسل کلام کیے جانے کو ہی بقا کا ضامن سمجھ لیتے ہیں جو کہ بلآخر اختلافات کو شدید سے شدید تر کیے جاتا ہے جس کا حتمی نتیجہ اکثر اوقات قطع تعلق کی صورت میں سامنے آتا ہے جو کسی بھی طرح ایک پسندیدہ طرز عمل گردانا نہیں جاسکتا۔لہذا یہ عیاں ہو گیا کہ ایک فریق کو پہل کرکے دوسرے کے بر عکس عمل کرنا چاہیے تاکہ دونوں طرف سے زبان سے جو آگ پھیلائی جارہی ہے وہ ایک طرف سے تھم جائے اور باہمی تعلق کی بحالی کی ممکنہ صورت موجود رہے اور فریق مخالف کو غصہ ٹھنڈا پڑنے پر احساسِ ندامت سے دوچار ہونا پڑے۔

ممکن ہے شوہر حضرات کو ملازمت،کاروباری مصروفیات سے منسلک مسائل کی وجہ سے ذہنی پریشانیوں کا سامنا ہو، کہیں مالی مسائل گنجلک ہو سکتے ہیں اور کہیں نقصانات کا ازالہ کیا جانا ممکن دیکھائی نہیں دے رہا اور کہیں خود کی ذات کو لاحق بیماری و ذہنی الجھنوں کو بڑھاوا دے رہی ہے اور بعض اوقات مسائل اس قدر سنجیدہ ہوسکتے ہیں کہ جن کا تذکرہ اپنی قریب ترین زندگی کے ہمسفر سے بھی نہیں کیا جاتا تاکہ وہ اُن مصائب کو جان کر خود پریشان نہ ہو جائے۔خدشات کا لامتناہی سلسلہ برپا ہو سکتا ہے جو فرد واحد کی طبیعت کو الجھائے ہوئے ہے تو ایسی صورت حال میں زوجہ کو سمجھنا چاہیے کہ پریشانی کی صورت میں گھر کے اندر کوئی اونچ ونیچ ہو گئی ہے تو وہ خود پر قابو رکھے اور معاملات کو سلجھانے کی کوشش کرے، امید واثق ہے کہ امورِ خانہ میں بہتری آتی جائے گی اور گھر کا ماحول جنت نظیر بنتا چلا جائے گا۔

اس کے بر عکس شوہر حضرات کو بھی معاملہ فہم ہونا چاہیے کہ زوجہ کس طرح کے جسمانی و ذہنی مسائل سے دوچار ہے اور اگر اُس کی طبیعت میں چڑچڑاپن مسلسل بڑھتا جارہا ہے تو اس کے پسِ پردہ کیا حقائق ہوسکتے ہیں ؟ ممکن ہے کہ وہ اپنے مسائل کا اظہار شوہر کے سامنے

کرنا چاہیے مگر درست وقت اور اچھے موڈ کے انتظار میں اسے کئی مہینے منتظر رہنا پڑتا ہو اور وہ مہینوں کا انتظار اس کی ذہنی پریشانیوں میں اضافہ کرتا چلا جائے اور جو گھٹن اپنے وجود میں دبائے بیٹھی ہے وہ اسے اندر ہی اندر سے ختم کئے جارہی ہو کیونکہ شوہر کے پاس اتنا وقت نہیں کہ اُس کی بات کو سن سکے یا وقت دینا نہیں چاہ رہے تا کہ بیٹھ کر آپس کے معاملات کو زیر بحث لایا جائے۔

پس واضح ہوا کہ خاموشی اور کلام کا وقت متعین نہیں کیا جاسکتا اس کے لیے زوجین کو آپس کے تعلق کو بہتر کرتے ہوئے ایکدوسرے کے لیے وقت نکالنا چاہیے اور گاہے گاہے خبر گیری کرتے رہنا چاہئے تا کہ معاملات، تنازعات کی صورت اختیار نہ کرتے جائیں اور کبھی کبھار متعین شدہ نظام الاوقات سے ہٹ کر خاموشی اختیار کرنے کی بجائے گفتگو کر لی جائے اور کبھی کبھار کلام کرنے کے موقع پر خاموشی کا لبادہ اوڑھ لیا جائے کیونکہ اس تعلق کو زوجین ہی بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں اور نبھا سکتے ہیں کسی تیسرے فریق کے دائرہ اختیار میں نہیں کہ وہ طے کر سکے کہ کب کونسا عمل کیا جانا چاہیے؟

6۔وسائل ومسائل سے آگاہی

مقامی سطح پر یہ رواج پروان چڑھ چکا ہے کہ افراد معاشرہ اپنی انا کی تسکین کے لیے، دوسروں کی نظروں میں مقام ومرتبہ اونچا رکھنے کے لیے اور بعض دفعہ (لوگ کیا کہیں گے) جیسے جملہ سے خوف کھاتے ہوئے اپنی وسعت وطاقت سے بڑھ کر معمولاتِ زندگی سرانجام دینے کی کوشش کرتے ہیں، جس کے لیے گھر کی جمع پونجی کو استعمال میں لانا، زر وزمین کو بیچنا اور اکثر اوقات قرض لے لینا بھی اس میں شامل ہے تا کہ خاندانی سطح پر جو بھی روایت پوری کرنی ہے وہ خوب داد وتحسین سمیٹے، چاہئے اس کا تعلق فوتگی سے ہو، حادثے کے صورت میں عیادت کو آنے والوں مہمانوں کی مہمان نوازی ہو یا شادی وبیاہ کے غیر ضروری رسوم ورواج کو پوار کرنا ہو، سبھی کے لیے بڑھ وچڑھ خرچ کرنا اور لوگوں کی نظروں میں دھاگ بٹھانا مطلوب ومقصود ہوتا ہے۔

اکثر اوقات سماجی سطح پر راسخ روایات کو بھی پورا کرنا پڑتا ہے کیونکہ اگر لڑکی والے ایسا نہیں کریں گے تو سسرال میں جب تک وہ زندہ رہے گی، طعن وتشنیع کا سامنا کرتی رہے گی کہ تمہارے والدین توجدی وپشتی غریب تھے اپنی بیٹی کے لیے یہ رسم بھی ادا نہیں کر سکے۔اس طرح کی ذہنی اذیتوں سے اپنی اولاد کو بچانے کے لیے بھی اکثر مواقع پر والدین وہ بوجھ بھی اپنے کندھوں پر اٹھا لیتے ہیں جو کبھی ان پر فرض نہ تھا تا کہ ان کی بیٹی سسرال میں ممکنہ حد تک سکون کی زندگی گزار سکے لہذا یہ معاملہ یک طرفہ ہرگز قرار نہیں دیا جاسکتا کہ غیر ضروری رسوم ورواج کو بڑھاوا دینے میں کوئی ایک فریق ہی ذمہ دار ٹھرایا جاسکتا ہے۔یہ اجتماعی امور سے تعلق رکھتا ہے کہ جب تک دونوں طرف کی سوچ میں تبدیلی نہیں آئے گی، بہتر خاندان پروان نہیں چڑھ سکتا۔

لیکن عصری روایات کو پیش نظر رکھا جائے تو بوقت شادی، دولہا ودولہن کو اسقدر کثیر سرمایہ خرچ کرکے بیاہ جاتا ہے کہ اُن کے ذہن وگمان میں غیر ارادی طور پر یہ بات جڑ پکڑ لیتی ہے کہ اُن دونوں کے والدین اچھے خاصے پیسے والے ہیں، بس آج سے قبل وہ غربت کا صرف بہانا بنایا کرتے تھے تا کہ شادی کے لیے سرمایہ کو بچا کر رکھا جاسکے تو کہیں نہ کہیں بے تحاشا دیکھاوا کرنے سے اُن نوبیہاتا اذہان میں یہ بات بیٹھ جاتی ہے کہ مستقبل میں جب کہیں انہیں بھی ضرورت پڑے گی تو والدین اسی طرح دولت نچھاور کریں گے لیکن حقائق جب خود سے پردہ اٹھاتے ہیں تو جو سب سے پہلا صدمہ پہنچتا ہے وہ یہی کہ جو قرض اٹھایا گیا ہے کئی برس تک اُس کی ادائیگی کرنی پڑے گی۔تب جا کر جان خلاصی ہوگی تو تصورات کا جو حسین محل رات ورات تعمیر کیا جاتا ہے وہ آہستہ آہستہ زمین بوس ہونے لگتا ہے اور زوجین کے

درمیان اختلافات پیدا ہونے لگتے ہیں جو ہر گزرتے دن کے ساتھ گہرے ہوتے جاتے ہیں اور جسمانی دوری کے ساتھ ساتھ ذہنی آسودگی جب ہوا ہوتی ہے تو تعلقات میں دراڑ آنے لگتی ہے جو گہری خلیج کی شکل اختیار کرنے کے بعد یا تو رشتہ ختم کر لیا جاتا ہے اور اگر کہیں دونوں خاندانوں کی طرف سے صلح وصفائی کا رستہ نکالا جاتا رہے اور تعلق کو نبھانے کی کوئی نہ کوئی صورت پیدا کی جاتی رہے تو عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ دونوں ایکدوسرے کے ساتھ غیر ارادی طور پر سمجھوتہ کرنے لگتے ہیں۔

تو جہاں ایک طرف والدین نے یہ ذمہ داری عائد کی ہوئی ہے کہ وہ دنیوی رسوم وروایات کو نبھانے کے لیے خود کو ہلکان کئے جاتے ہیں وہیں یہ ذمہ داری بھی انہیں پوری کرنی چاہیے کہ اولاد کو حقیقت سے آشنا رکھیں، انہیں چادر دیکھ کر پاؤں پھیلانے کی ترغیب بھی دیں اور تربیت بھی کریں کیونکہ ایک عرصہ کے بعد اُس اولاد کو خود انہی مراحل سے گزرنا پڑے گا جن سے آج والدین گزر رہے ہیں اور اگر آج اولاد کی تربیت حقائق کو مدِ نظر رکھ کر کی جائے گی تو مستقبل میں کسی مشکل ومصیبت کے وقت انہیں صبر سے کام لینے کا ہنر آجائے گا اور اسلام بھی فضول خرچی کی مذمت کرتا ہے کہ ایسے شخص کو شیطان کی دوست قرار دیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ-وَ كَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا[8]

بیشک فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے۔

اور فرمان نبوی ﷺ ہے کہ

إِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوقَ الْأُمَّهَاتِ، وَمَنْعَ وَهَاتِ، وَوَأْدَ الْبَنَاتِ، وَكَرِهَ لَكُمْ قِيلَ وَقَالَ، وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ، وَإِضَاعَةَ الْمَالِ[9].

اللہ تعالیٰ نے والدین کی نافرمانی، بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے، خود بخل کر کے دوسروں سے سوال کرنے، فضول باتوں اور سوالات اور مال ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے

لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ والدین بھی اولاد کی تربیت اپنی وسعت واستطاعت کے مطابق کریں اور زوجین کو بھی فضول خرچی کرنے جیسے قبیح عمل کے بارے میں آگاہی دیں اور دونوں خاندانوں کے وسائل ومسائل کے بارے میں بھی خوب جانتے ہوں کہ انہی کے دائرہ میں رہتے ہوئے اپنی ضروریات کو پورا کرنا ہے تاکہ خواہشات کے زیرِ سایہ پروان چڑھنے والے محلات کی تعمیر میں حقیقت کا رنگ جب پھیکا پڑے تو گھبرا کر ایکدوسرے کے خلاف نہ ہو جائیں بلکہ رشتہ کو نبھانے والے بنیں تاکہ بڑھاپے میں جو مشکلات پیش آتی ہیں، اُن کے آنے سے قبل زوجین کے درمیان الفت ومودت کا تعلق بن جائے اور راہ ورسم کو احسن انداز میں پورا کر سکیں۔

7۔خاندانی رسم ورواج کی موافقت

تہذیب وثقافت! سماجی روایات کا عکس ہوتی ہیں جن کے ذریعے کوئی بھی معاشرہ اپنے اسلاف کی اقدار کا برملا اظہار کرتا ہے اور جن کے باعث اُس سماج کی مثبت ومنفی بناوٹی ساخت اُبھر کر سامنے آجاتی ہے۔ مختلف اقوام کی علاقوں کی نسبت کے لحاظ سے ثقافت مختلف ہو سکتی ہے، ان کے رہن وسہن میں کچھ اقدار مشترک بھی ہو سکتی ہیں اور متضاد بھی جیسا کہ پاکستانی بحیثت وطن ایک قوم ہے تو ملکی لحاظ سے دیگر ممالک سے اس کی اقدار مختلف بھی ہو سکتی ہیں اور مشترک بھی، اسی طرح پاکستان کے پانچ صوبے ہیں اور رہن وسہن، پہناوا اور خوراک

میں کافی تضاد پایا جاتا ہے۔ سندھ میں چاول کو پسند کیا جاتا ہے، بلوچستان اور خیبر پختونخواہ میں گوشت کو اور پنجاب میں ملا وجلا رحجان غالب ہے ،اسی طرح پہناوے بھی مختلف ہیں اور علاقائی لحاظ سے فکر اختلاف بھی پایا جاتا ہے۔ پہاڑی علاقوں کے رہنے والے لوگوں کی فکر بنسبت میدانی علاقوں میں رہنے والوں سے بڑی سخت ہوتی ہے۔ مشاہدہ عام کی بات ہے کہ ایک ہی ملک میں مختلف ثقافتیں بیک وقت گزر بسر کر رہی ہیں اور اگر ان تمام ثقافتوں کا ملغوبہ بنایا جائے تو کسی ایک فریق کے لئے اُسے بصِدق دل قبول کرنا آسان مرحلہ نہیں ہو گا کیونکہ ایسا کرنے سے بتدریج اُن کی انفرادی شناخت ختم ہوتی جائے گی اور وہ اپنی تاریخی روایات سے محروم ہو جائیں گے۔

بعینہ اسی طرز عمل کو خاندانی سطح پر لاگو کیا جائے تو ہر برادری کی بھی تاریخی روایات واقدار ہوتی ہیں جن کے زیرِ سایہ اس ذات وبرادی کے افراد تربیت لے کر پروان چڑھے ہوتے ہیں اور اُن کی نفسیات بھی انہیں اقدار کے مطابق ڈھل چکی ہوتی ہیں۔ متعین رسوم ورواج سے کم وپیش تغیر تو فطری تقاضا ہوتا ہے کیونکہ وقت کے ساتھ ساتھ نسل نو اُن میں تبدیلی کرتی جائے گی لیکن کُلی طور پر سر موانحراف ممکنات میں سے نہیں ہوتا۔ ہر آنے والے فرد کو چار وناچارانہی کی اتباع میں زندگی بسر کرنی ہوتی ہے اور رشتہ ازدواج کو قائم کرتے ہوئے اسی پہلو کو زیادہ اہمیت دی جانی چاہیے تاکہ دو خاندان جب آپس میں ایک رشتہ میں بندھنے لگیں تو تاریخی و معاشرتی لحاظ سے ان میں طرفین کا اختلاف نہ پایا جاتا ہو اور جلد ہی ایکدوسرے سے مانوس ہو جائیں۔

لیکن عصر حاضر میں ایسی روایات کو مدِ نظر نہیں رکھا جارہا اور کبھی دولت وثروت کی چکاچوند دیکھ کر، کبھی ظاہری خوبصورتی کو بنیاد بنا کر اور کبھی تعلقات کا سہارا لے کر رشتے طے کر لیے جاتے ہیں اور تھوڑا ہی عرصہ گزرنے کے بعد معاملات طلاق تک پہنچ جاتے ہیں کیونکہ پہلے پہل جو تصورات قائم کر کے راہ ورسم بڑھائی گئی، آہستہ آہستہ اس میں اختلاف پیدا ہوتا گیا، کبھی مرد کی طرف سے زور دیا گیا کہ وہی کیا جائے گا جو ہمارے پُرکھوں کی روایت چلی آرہی ہے اور کبھی عورت کی طرف سے ضد کی گئی کہ وہی کیا جائے گا جو مجھے بچپن سے بتایا وپڑھایا گیا ہے تو ایسے معمولات میں بات تلخ کلامی اور پھر قطع تعلقی تک آن پہنچتی ہے اور اِن سب کے پسِ پردہ خاندانی روایات میں بنیادی اختلاف کا موجود ہونا ہے کیونکہ دونوں نے قبل از شادی ایسے پہلوؤں پر غور وفکر نہیں کیا ہوتا اور نہ ہی اُس جہت کو اتنی زیادہ اہمیت دی جاتی ہے لہذا جب حالات وواقعات قابو سے باہر ہوتے ہیں تو واپسی کی راہ نہیں ملتی لہذا شادی کے بندھن میں بندھنے سے قبل خاندانی تہذیب وثقافت کو بھی پیشِ نظر رکھا جانا چاہئے تاکہ زوجین میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ گہری ہم آہنگی پیدا ہوتی جائے نہ کہ تنازعات واختلافات کا نیا سلسلہ درپیش ہو اور اس حوالے سے اسلامی نقطہ نظر دیکھا جائے تو شرعی ہدایات میں واضح بیان کیا گیا ہے کہ حسب ونسب، ظاہری خوبصورتی، مال ودولت کو فوقیت دینے کی بجائے دینداری کو ترجیح دی جائے جیسا کہ فرمان نبوی ﷺ ہے کہ

> تُنْكَحُ الْمَرْأَةِ لِأَرْبَعٍ :لِمَالِهَا، وَلِحَسَبِهَا، وَجَمَالِهَا، وَلِدِينِهَا، فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّينِ تَرِبَتْ يَدَاكَ[10].
>
> نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ عورت سے نکاح چار چیزوں کی بنیاد پر کیا جاتا ہے، اس کے مال کی وجہ سے اور اس کے خاندانی شرف کی وجہ سے اور اس کی خوبصورتی کی وجہ سے اور اس کے دین کی وجہ سے اور تو دیندار عورت سے نکاح کر کے کامیابی حاصل کر، اگر ایسا نہ کرے تو تیرے ہاتھوں کو مٹی لگے گی (یعنی اخیر میں تجھ کو ندامت ہو گی)

8۔ دادو تحسین کے عمل کو فروغ دینا

یہ ایک نفسیاتی عمل ہے کہ ایک انسان جب کسی بات، موضوع یا پہلو سے صرفِ نظر کرنا شروع کر دے تو رفتہ رفتہ اُس کی عادت بن جاتی ہے کہ وہ اُسی طرح کے دیگر امور سے بھی پہلو تہی برتنے لگے گا اور اسی طرز پر اگر ایک شخص کسی عمل کو اپنے معمولاتِ زندگی کا حصہ بنا لے تو وہ عمل اس کی فطرت میں راسخ ہو تا جائے گا جیسا کہ راہ چلتے ہوئے اگر کوئی فرد تکلیف دہ چیز کو راستے سے نہیں ہٹائے گا، صرفِ نظر کرے گا اور سوچے گا کہ اس سے اُسے کیا فرق پڑتا ہے یا مجھے ایسے چھوٹے چھوٹے کاموں سے کیا لینا دینا تو یہ غیر ارادی طور پر اُسے نفسیاتی طور پر خود کو تیار کر رہا ہے کہ اِس سے بھی بڑا مسلہ پیش آ جائے تو اُسے کوئی فرق نہیں پڑے گا حتی کہ راستے پر پڑی انسانی لاش بھی اس کے لیے ایک غیر ضروری چیز ہی شمار ہو گی جس پر توجہ مرکوز کرنا وقت کا زیاں ثابت ہو گا۔

بعینہ اگر ایک فرد اسی راستے پر چلتے ہوئے تکلیف دہ چیز کو اس نقطہ نظر سے ہٹا دے کہ مجھے تکلیف نہ دے یا میرے بعد آنے والے لوگوں کے لیے اذیت کا سبب نہ بنے تو یہاں بھی طبیعت میں نفسیاتی لحاظ سے تبدیلی واقع ہو رہی ہے جو آہستہ آہستہ اس کی فطرت کا حصہ بنتی چلی جائے گی اور پھر ایک وقت اُس پر ایسا بھی آئے گا کہ وہ زندگی کے ہر ہر پہلو سے دیکھے گا کہ کسی دوسرے شخص کو تکلیف تو نہیں پہنچ رہی یا ایسا کوئی عمل تو سرزد نہیں ہو رہا جو دوسروں کے لیے اذیت کا باعث بن رہا ہو۔ تو واضح ہوا کہ روز مرّہ معمولات میں جو بھی فکری و عملی رویہ اختیار کیا جائے گا انسان کی طبیعت اسُی ڈگر پر ڈھلتی چلی جائے گی۔ اب یہ طے کرنا کہ کونسا راستہ اختیار کرنا چاہیے، ہر فرد کے اپنے دائرہ اختیار میں ہے۔

لہذا یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اگر کسی انسان کی تعریف کی جائے یا اُس کی تذلیل کی جائے تو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یا تو وہ فرد تعریف کرنے والے کا گرویدہ ہو جائے گا یا اُس سے متنفر ہو جائے گا۔ بالکل اِسی طرز پر تعلق زوجین کا بھی جائزہ لیا جائے تو یہاں بھی دادو تحسین کا عمل مثبت انداز میں کار فرما نظر آتا ہے کہ اگر دونوں فریق ایکدوسرے کو دادو تحسین کے الفاظ سے سراہیں گے تو آپس کے تعلق پر تعمیری اثرات مرتب ہوں گے جو کہ زندگی کو پُر مسرت بنا دیں گے۔

دراصل عصری مسائل میں انسان اسقدر الجھ گیا ہے کہ اُسے دیگر مصروفیات سے فرصت ہی نہیں مل رہی جو وقت نکال کر اپنے دوست و ہمنوا کی تعریف کر سکے۔ مادیت پرستی کا رجحان غالب ہو گیا ہے جو اُسے اخلاقیات سے عاری کرتا چلا جا رہا ہے، تعلقات عامہ سے دور اور مال وزر کا حرص، اس کی طبیعت کا خاصہ بن گیا ہے ورنہ دولت وثروت سے زیادہ اہمیت انسان سے جڑے ہوئے رشتوں کی ہوا کرتی ہے۔ ایسا نہیں کہ پیسہ کی اہمیت کا انکار کیا جا رہا ہے بلکہ پیسے کی موجودگی راہ ورسم کو نبھانے اور دیرپا قائم رکھنے میں کلیدی اہمیت کی حامل ہے لیکن زندگی کا مقصد اولین ہی اسے متعین کر لیا جائے اور اس کے حصول میں باقی تمام نعمتوں کو پس پشت ڈال دیا جائے تو یہ طرز عمل کفرانِ نعمت میں شمار کیا جاسکتا ہے لہذا دونوں میں توازن بنائے رکھنے میں ہی انسان کی بھلائی مضمر ہوتی ہے۔

موضوع بحث کو مقصد تحریر کی طرف موڑتے ہیں کہ زوجین کو ایکدوسرے کے لیے دادو تحسین کے الفاظ ادا کرتے رہنے چاہیے تا کہ خوشگوار ماحول گھر میں پروان چڑھتا رہے کہ اگر شوہر روزہ مرّہ کی مصروفیات سے تھکا ہارا گھر آئے اور زوجہ کی طرف سے اُس کی حوصلہ افزائی کی جائے کہ آپ کی محنت کے سبب گھر کا چولہا، بہتر طور پر چل رہا ہے، ہم امورِ خانہ کو مل و جل کر احسن انداز میں انجام دے رہے

ہیں یا آپ کی محنت ومشقت کی وجہ سے گھر کے مسائل بروقت حل ہو جاتے ہیں اور پریشانیوں سے چھٹکارا مل جاتا ہے۔ مختصراً کہا جائے تو ایسے الفاظ جو اُس تھکے ہوئے انسان کی تھکاوٹ کو دور کردیں، اُس کی ہمت بڑھادیں، اُسے لگے کہ وہ تمام الجھنیں جو باہر کی دنیا سے میرے وجود پر نازل ہوئیں ہیں، اُن کی کوئی اہمیت نہیں کیونکہ گھر آکر اُسے وہ سکون، وہ راحت ملتی ہے جس کے آگے بیرونی تمام پریشانیاں ومسائل ہیچ ہیں۔ لہذا اگلے دن وہ شخص تروتازہ ہو کر گھر سے نکلے گا اور پہلے کی نسبت زیادہ محنت ولگن سے معاملات کو سرانجام دے گا۔

بعینہ زوجہ کے لحاظ سے دیکھا جائے تو وہ بھی اندرونِ دہلیز گھر کے تمام معاملات کی نگران ہوتی ہے۔ اُسے بھی دن بھر کی مصروفیات تھکا دیتی ہیں۔ اُسے اُن تمام اشیا کو درست انداز میں واپس اپنی جگہ پر لانا ہوتا ہے جن کے بغیر گھر ایک کباڑ خانہ کا منظر پیش کررہا ہوتا ہے۔ ایک خاندان ۲ سے ۶ افراد پر بھی مشتمل ہو تو اُن سب افراد خانہ کی مختلف ضروریات وترجیحات ہوں گی جنہیں بروقت پورا کرنا اور ہر روز کرنا تاکہ گھر کا انتظام ایک منظم ترتیب سے چلتا رہے، خاصا دشوار گزار مرحلہ ہوتا ہے۔ لہذا! اندرونِ خانہ کے امور کو روزانہ ترتیب وتنظیم کے ساتھ چلانا صرف ایک خاتونِ خانہ کا شیوا ہو سکتا ہے اور یہ انتہائی ذمہ داری والا معاملہ ہوتا ہے کہ ایک دن یہ شخصیت اپنے معمول میں سستی برتے تو تمام افراد جسمانی وذہنی لحاظ سے بے چین ہونے لگیں۔ تو ایسے فرد کی حوصلہ افزائی کرنا، اُس کی ہمت بڑھانا، اس کے کاموں کی وجہ سے تعریفی کلمات کہہ دینا، اس کی برسوں کی محنت کو چار چاند لگا دیتا ہے، وہ اگلے روز نئی توانائی کے ساتھ گھر کے معاملات کو انجام دینے لگے گی، پہلے سے بڑھ کر انتظامات کو بروئے کار لائے گی اور اِس کا مثبت اثر اُس کی طبیعت پر نمایاں دیکھا دے گا۔

لہذا یہ فکر اپنائے رکھنا کہ مرد حضرات دن بھر جان جوکھوں میں ڈال کر سخت محنت کرتے ہیں تاکہ امورِ خانہ داری کو احسن انداز میں چلا سکیں تو دوسری طرف یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ انہی امورِ خانہ داری کو گھر میں موجود سلیم الفطرت عورت ذات ہی پایہ تکمیل تک پہنچاتی ہے نہ کہ وہ تمام معاملات خود ساختہ طریقے سے ہوتے چلے جاتے ہیں۔ پس واضح ہوا کہ زوجین کو اپنے تعلق میں مثبت وتعمیری رویّوں کو پروان چڑھانے کے لیے ایکدوسرے کے لئے وقتاً فوقتاً دادو تحسین کے الفاظ ادا کرتے رہنے چاہیے تاکہ گھر کا ماحول خوشگوار بنا رہے۔

9۔ امورِ خانہ میں باہمی معاونت

امور خانہ داری زندگی کا جزو لاینفک ہیں، کوئی بھی گھر اِن سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا جاسکتا ہے اور جب ایک آنگن کو بسانے کی بات کی جائے تو لامحالہ ایسا عمل صرف حضرت انسان کے بس کی ہی بات ہے کہ وہ مرد وعورت کی صورت میں ایک نئے خاندان کی بنیاد رکھتے ہیں تاکہ جسمانی وذہنی تسکین بھی حاصل ہوتی رہے اور نسل انسانی کی بقا، اولاد کی صورت میں ممکن ہو سکے۔ انسان کے علاوہ کسی بھی مخلوق نے چادر وچار دیواری کا تصور قائم نہیں کیا ہے کہ کسی مخلوق نے باقاعدہ منظم طریقے سے گھر کا نقشہ بنایا ہوں، چار دیواری کھڑی کی ہو، اُس کے حفاظتی معاملات کو مقدم رکھا ہو اور زمین کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے کو گھر کا نام دے کر اُس میں قیام کیا ہو، یہ اعزاز صرف حضرت انساں کے حصہ میں آیا ہے تو جب ازل سے یہ طے ہے کہ ایک باقاعدہ نظام کے تحت انسان گھر بسائے گا اور بساتا بھی ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ گھر کی چار دیواری کے اندر انسان کے علاوہ باقی تمام مخلوقات ہوں اور وہاں تسکین وراحت نے بھی ڈیرے ڈالے ہوں، وہاں قہقہے گونجتے ہوں اور ننھی آوازوں کی صورت میں کلکاریاں سنائی دیتی ہوں۔ جب یہ سب کچھ انسان ونسل انسان سے منسوب ہے تو اُسی گھر کی آبادکاری کے لیے انساں (مرد وعورت) کا ہونا ازحد ضروری ہے اور جب بھی یہ دونوں فریق کسی معاہدے کے تحت زندگی بسر کرنا

شروع کریں گے تو غیر ارادی طور پر حقوق وفرائض کے سلسلہ کا آغاز ہو جاتا ہے کہ اندرونِ خانہ کی ذمہ داریاں کس کے سپرد ہوں گی اور دہلیز سے باہر کا کام وکاج کون سنبھالے گا تا کہ معاشی ذریعہ بھی چلتا رہے اور مالی وسائل کا احسن انداز میں انتظام کیا جاسکے، جن سے دیگر ضروریات زندگی کو پورا کیا جائے گا جیسا کہ پہننے کے لیے کپڑے اور بیماری کی صورت میں علاج ومعالجہ کے اخراجات اور عصر حاضر میں دیگر بلز وغیرہ ادائیگی کرنا۔

لامحالہ اِن دونوں کو خود ساختہ طریقے سے خود کی ذات پر کچھ فرائض عائد کرنے پڑیں گے اور کچھ حقوق ادا کرنے ہوں گے تا کہ ایکدوسرے کے لیے مددومعاون ثابت ہو سکیں اور مکان کو ایک خوبصورت گھر کا نام دے سکیں۔اس میں کسی بھی طرح کی تحدیات کا تعین نہیں کیاجاسکتا کہ فلاں امور صرف ایک فرد کے ذمہ ہیں، باقی یہ کام دوسرا فریق نہیں کر سکتا یا کرے گا اور دوسرے کام، فریق ثانی کی ذمہ داری ہے، انہیں پہلا فرد ادا نہیں کرے گا یا کر سکتا، عمومی طور پر سماجی ساخت کو دیکھا جائے تو امور خانہ داری عورت کی ذمہ داری شمار کی جاتی ہے کیونکہ فطری طور پر وہ نگہبان اور محافظہ اور تخلیقی صلاحیتوں کی حامل ذات پیدا کی گئی ہے جس میں دوسروں کے لیے ہمدردی اور نگہداشت کے عناصر نمایاں ہوتے ہیں وہ مرد کی نسبت بہتر اور اچھے انداز میں پرورش اور تربیت کے مراحل کو انجام دے سکتی ہے اور اسی طرح دہلیز سے باہر کے امور جو کہ سخت محنت ومشقت طلب ہوتے ہیں وہ مرد ذات کے سپرد کیے گیے ہیں کیونکہ ان کی تخلیق اسی طرز کے کام انجام دینے کے لیے کی گئی ہے اور یہ کہیں نہیں متعین کیا گیا کہ گھر کے کاموں میں مرد ہاتھ نہیں بٹائے گا اور اگر کسی گھر میں فطری طور پر مرد نہیں یا بیماری کے سبب کام کرنے سے قاصر ہے تو عورت باہر کے کام نہیں کر سکتی لہذا یہ دونوں ایکدوسرے کے کاموں کو سرانجام دینے کے صلاحیت رکھتے ہیں اور بخوبی کر بھی سکتے ہیں لیکن اگر یہ ایکدوسرے کے کاموں میں معاونت کریں تو دونوں کے معاملات بخوبی احسن انداز میں پایہ تکمیل تک پہنچ سکتے ہیں اور اسی طرح دونوں میں تعاون کا رجحان بھی بڑھے گا اور تعلق بھی مضبوط ہو گا تا کہ دونوں ایکدوسرے کے کاموں کی سختیوں سے واقف ہوں اور قدر کریں۔

جبکہ سیرت طیبہ کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ بھی گھر کے کاموں میں ازواج کے ساتھ ہاتھ بٹایا کرتے تھے اور فرمان نبوی ﷺ جس کی بین دلیل ہے کہ

> أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا، وَخَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِنِسَائِهِمْ[11]
>
> ایمان کے اعتبار سے کامل ترین مومن وہ ہیں جو بہترین اخلاق کے حامل ہوں اور تم میں سے بہترین وہ ہیں جو اپنی عورتوں کے لیے بہترین ہوں۔

لہذا! سیرت طیبہ سے سبق ملتا ہے کہ گھریلو معاملات میں زوجین کا ایکدوسرے کے ساتھ ہاتھ بٹانا چاہئے تا کہ ایک طرف امورِ خانہ میں آسانی پیدا ہو اور مل جل کر کام کرنے سے باہمی تعاون کی رویت پروان چڑھے اور انس ومودت کا تعلق قائم ہو۔

مبحث دوم: افتراق پیدا کرنے والے عوامل

1۔ رشتے کے تقاضوں سے عدم واقفیت

سماجی سطح پر عمومی روش ہے کہ پرورش و تربیتِ اولاد کے مراحل میں سکول، مدرسہ یا کالج و یونیورسٹی کی رسمی تعلیم دلوائی جاتی ہے جس میں مختلف علوم پڑھائے و سیکھائے جانے کی فکری مشق کروائی جاتی ہے، عملی طور پر اُن حاصل کردہ علوم کا نفاذ کب، کہاں اور کیسے کیا جائے گا؟ طلبہ و طالبات کی اکثریت اس سے نابلد ہوتی ہے، انہیں صرف ڈگری کا حصول اور پھر اُس حاصل کردہ ڈگری کی بنیاد پر ملازمت کا حصول ہی زندگی کو کامیاب بنانے کا واحد ذریعہ و کلیہ نظر آتا ہے اور کسی حد تک اِس سارے معاملے میں اُن کا قصور بھی نہیں ہوتا کیونکہ مجموعی طور پر روش ہی یہی اختیار کرلی گئی ہے کہ تعلیم کا مقصدِ اوّلین ہی یہی بتایا و پڑھایا جاتا ہے کہ جونہی بچہ ذہنی بلوغت کی عمر کو پہنچتا ہے تو والدین یا سربراہان خاندان کی طرف سے تسلسل کے ساتھ، اس کی سماعت سے یہ جملہ ٹکراتا رہتا ہے کہ ہمارا بیٹا یا بیٹی بڑے ہو کر فلاں بنے گا یا گی تو جس عمر میں بچے کو ابھی خود کے بارے میں صحیح و غلط میں انتخاب کرنے کی کامل صلاحیت پیدا نہیں ہوئی، اُس عمر میں گھر کے بڑوں کی طرف سے خود ساختہ طور پر مسلسل ذہن سازی کیے جانا کہ فلاں بنے گا اور فلاں فلاں ذمہ داریاں سرانجام دے گا جو کہ بچے کی فکر کو اپاہج کرنے کے مترادف قرار دیا جاسکتا ہے۔

ممکنات میں سے ہے کہ بچہ وہی بنے جو بچپن سے اس کے ذہن میں انڈیلا جارہا ہے لیکن اس کے برعکس نتائج بھی سامنے آسکتے ہیں تو کیا سربراہان یا والدین بچے کی ذہن سازی کرتے رہے، وہ اس صدمے کو برداشت کرپائیں گے کہ نتائج ویسے حاصل نہیں ہوئے جیسے انہوں نے کچھ برس قبل متعین کئے تھے۔ یہ پہلو تو بچے کی روایتی تربیت کے حوالے سے ہے کہ وہ تعلیم حاصل کرکے کیا ذریعہ معاش اختیار کرے گا اور کس طرح اپنی عائد کردہ ذمہ داریوں سے نبرد آزما ہو گا لیکن اس میں وہ نصاب کہیں بھی شامل نہیں کیا جاتا جسے پڑھنے کے بعد اُسے معلوم ہو گا کہ زندگی کا وہ حصہ کیسے بسر کرنا ہے جو بعد از شادی شروع ہو گا۔ کہیں پر بھی شادی کے بعد والی زندگی کے بارے میں گفتگو نہیں کی جاتی، کسی بھی پلیٹ فارم پر اس پہلو کو زیرِ بحث نہیں لایا جاتا کہ وہ بچے جو جوانی کی دہلیز پر قدم رکھ چکے ہیں اور کچھ عرصے کے بعد شادی کے بندھن میں بھی بندھ جائیں گے انہیں اُس طرزِ زندگی کے بارے میں معلومات فراہم کی جائیں جو تادمِ مرگ ساتھ چلنی ہے، انہیں بتایا جائے کہ شادی کے بعد انسان کی زندگی میں کیسی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں، کیسے ایکدوسرے کے ساتھ مل و جل کر چلنا ہے۔ اگر کوئی مصیبت یا مسلہ درپیش ہوتا ہے تو کیسے حوصلہ و ہمت بندھائے رکھنی ہے؟ یا جذباتی ہو کر آپس میں تنازعات کو بڑھاوا نہیں دینا بلکہ اگر ایک فریق کو مسلہ درپیش ہے تو دوسرے نے ہمت و حوصلہ کو قائم رکھتے ہوئے اُس کی دلجوئی کرنی ہے کہ رب تعالیٰ اپنے فضول و کرم سے اس مسلہ سے نجات عطا فرمائے گا، بس مثبت و تعمیری انداز میں مسلسل کوشش جاری رکھنی چاہئے اور گھبرانا نہیں چاہیے کہ ہم ایکدوسرے کے ساتھ نبھائیں گے چاہیے مشکلات جیسی بھی آن پڑیں۔

جبکہ حقیقت حال یہ ہے کہ کوئی چھوٹے سے چھوٹا مسلہ بنا نہیں تو سب سے پہلے زوجین میں لڑائی و جھگڑا پیدا ہوتا ہے کہ ایسا ہمارے یا تمہارے ساتھ ہی کیوں ہوتا ہے؟ مجھے اگر پہلے پتا ہوتا تو اس شادی سے ہی انکار کردیا جاتا یا شائد میری قسمت ہی خراب ہے جو اس خاندان میں شادی ہوگئی، ایسے متعدد جملے ہوسکتے ہیں جو مصیبت کے وقت زوجین کی زبانوں سے بیک وقت ادا ہورہے ہوتے ہیں اور اصل مسلے سے توجہ ہٹ کر یہ فکر لاحق ہوجاتی ہے کہ گھریلو معاملات کو کیسے سنبھالا جائے۔ اور یہی و نقطہ افتراق ہوتا ہے جہاں سے دونوں کے ذہنوں

و دلوں میں ایکدوسرے کا مقام و مرتبہ کم ہونا شروع ہو جاتا ہے اور ایک وقت گزرنے کے بعد قطع تعلق کر لیا جاتا ہے یا بامر مجبوری تعلق کو جیسے وتیسے کر کے نبھانے کی سعی لاحاصل کی جاتی ہے جس سے دونوں کو کبھی بھی راحت و تسکین حاصل نہیں ہو پاتی۔

لہذا اس پہلو کی طرف توجہ دینے کی اشد ضرورت ہے کہ اولاد کے تربیتی مراحل میں شادی جیسے موضوع کو بھی شامل کیا جائے اور قبل از شادی انہیں آگاہ کیا جائے کہ کیا اور کیسے معاملات مستقبل میں در پیش ہوں گے بلکہ والدین کی اکثریت ایسی ہوتی ہے جن کی عمومی فکر اسی دائرہ میں گردش کرتی رہتی ہے کہ بچے آہستہ آہستہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سب سیکھ جائیں گے، اس بارے میں انہیں کچھ بھی بتانے کی چنداں ضرورت نہیں جو کہ ایک انتہائی خطرناک صورت حال کا پیش خیمہ بن سکتی ہے جس کا بین ثبوت طلاق و خلع کی شرح میں روز بروز اضافہ ہونا ہے کہ کبھی شوہر کی طرف سے طلاق دی جارہی ہے اور کہیں عورت کی طرف سے خلع کا مقدمہ دائرہ کیا جارہا ہے جو کہ خاندان کا شیرازہ بکھیرنے میں کلیدی کردار ادا کر رہا ہے لہذا صاحبان اختیار کو اس طرف سنجیدگی کے ساتھ توجہ دینا ہوگی تاکہ خاندانوں کو اجڑنے سے بچایا جاسکے اور بہتر مستقبل کی طرف مثبت انداز میں پیش قدمی کی جاسکے۔

2۔عدم برداشت کے رجحان کا غالب آنا

تعلقِ زوجین میں تفریق پیدا کرنے میں عدم برداشت جیسے رویّے کا غالب آنا بھی ہے کہ زوجین میں بعض اوقات معمولی سی بات پر بھی تلخ کلامی اس قدر سنجیدگی اختیار کر لیتی ہے کہ دونوں جذباتی پن کی وجہ سے قطع تعلقی جیسے حتمی فیصلے پر عمل کرنے میں ہی عافیت تلاش کرنے لگتے ہیں حالانکہ جھگڑے کی تہہ تک پہنچا جائے تو معاملہ کسی خواہش یا آسائش سے جڑا ہوا نظر آئے گا جس کے پورا نہ ہونے سے رشتے کو ختم کرنے جیسے فیصلے طے کر لیے جاتے ہیں جبکہ زوجین جیسے تعلق میں پہلے دن سے ہی جو پہلو غالب دیکھائی دینا چاہئے وہ سمجھوتہ کا ہونا چاہئے کہ عملی زندگی کا سفر ابھی شروع ہوا ہے۔ایکدوسرے کی طبیعت و فطرت کو سمجھنے میں کچھ عرصہ درکار ہوتا ہے۔دونوں مختلف ماحول اور خاندانی پس منظر میں تربیت پا کر پروان چڑھے ہوتے ہیں،دونوں کے شب و روز مختلف و اکثر متضاد سرگرمیوں میں گزرے ہوتے ہیں، کسی کے والدین گھریلوں ماحول کو پابندیوں میں جکڑ کر رکھتے ہیں،اصول ضوابط کا اولاد کو پابند بناتے ہیں اور کسی کے سربراہان یکسر طور پر اس کے برعکس رویہّ اپنائے رکھتے ہیں۔اولاد کو لاڈ و پیار سے پالا ہوتا ہے، کبھی کسی کو گرم ہوا تک نہیں لگنے دی جاتی، نرم و نازک طبیعت کا متحمل ہوتے ہیں، کسی دوسرے فرد کی ڈانٹ ڈپٹ تک نہیں سنی ہوتی تو جیسے ہی وہ ایک رشتے میں بندھ جاتے ہیں، کسی بات پر تلخ کلامی ہوتی ہے تو دونوں کے ذہنوں میں اپنے آبائی گھر کی تربیت کا اثر محفوظ ہوتا ہے اور وہ اس نئے رشتے کو بھی اسی نقطہ نظر سے آغاز میں دیکھ رہے ہوتے ہیں۔

جبکہ اکثر اوقات نئے گھر کے اصول و ضوابط کامل طور پر متضاد ہوتے ہیں تو ذہنوں کا تضاد واضح تر ہونے لگتا ہے جس فریقین کے لیے اچانک قبول کرنا آسان مرحلہ نہیں ہوتا اور معمولی جھگڑا رشتوں کے بگڑنے تک پہنچ جاتا ہے جو کہ کسی بھی لحاظ سے سماجی سطح پر درست اقدام نہیں گردانا جاسکتا۔کیونکہ وقتی طور پر دونوں کو علیحدہ ہونا ہی بہتر فیصلہ لگتا ہے لیکن اگر یہ فیصلہ خواہشات کی اتباع میں کیا جائے تو اس کے بُرے اثرات بعد ازاں بڑھاپے کی عمر کے قریب پہنچ کر واضح ہونے لگتے ہیں کہ جب سر سے والدین کا سایہ اٹھ جاتا ہے۔بھائی و بہن اپنے اپنے خاندانی معمولات میں مصروف ہو جاتے ہیں، آپس میں وہ پہلے جیسے تعلقات قائم نہیں رہتے اور کوئی بھی ہمدرد و ہمنوا بننے

کو تیار نہیں ہوتا تب جا کر تنہائی کا سفر کاٹنا مشکل ترین مرحلہ محسوس ہونے لگتا ہے، تب سماجی تنہائی کانٹے بن بن کر وجود کو تار تار کرنے لگتی ہے اور زمانہ ماضی میں کئے گئے جذباتی فیصلے رہ رہ کر یاد آنے لگتے ہیں لیکن تب پچھتائے کیا ہوت۔ جب چڑیاں چگ گئی کھیت۔

لہذا زوجین کو وقتاً فوقتاً والدین یا سربراہان کی طرف سے ہدایات کی جاتی رہنی چاہیے کہ آپس کے معاملات میں برداشت کا مادہ پیدا کیا جائے اور ایکدوسرے کی باتوں کو حوصلہ وہمت کے ساتھ سنا و سمجھا جائے اور رشتے کو توڑنے جیسے فیصلے کو جذبات کی رو میں بہہ کر یکمشت طے نہیں کر لینا چاہیے بلکہ خوب غور و فکر اور دور رس نتائج کو پیش نظر رکھ کر اس راستے کا انتخاب کیا جانا چاہئے اور حتی الوسع کوشش کرنی چاہئے کہ ایسے راستے کا مسافر نہ بنا جائے کیونکہ اس سے اولاد ہونے کی صورت میں خود کا نقصان ہونے کے ساتھ ساتھ بچوں کا مستقبل بھی تاریک تر ہو تا جائے گا اور وہ ذہنی طور پر ہر گز یکسو نہیں ہو پائیں گے کہ جہاں سے انہیں اعتماد اور بھروسہ جیسے عوامل کا درس حاصل کرنا ہو تا ہے وہی مکتب خود کے جذباتی فیصلوں کی نظر ہو کر کب کا بند ہو چکا ہو تا ہے اور اولاد پھر دربدر کی ٹھوکریں کھانے کے لیے رہ جاتی ہے لہذا برداشت کا مادہ پیدا کرنا چاہیے اور ایکدوسرے کے لیے سہولت کو پروان چڑھانا چاہیے اور رشتوں کو مضبوط کرنے کے لیے نت نئی راہیں تلاش کرنی چاہیے تاکہ مضبوط سماج کی بنیاد ڈالی جاسکے اور پیغام الٰہی ہمیشہ ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ[12]

بیشک اللہ صابروں کے ساتھ ہے۔

اور جب کبھی کوئی مصیبت، مشکل یا پریشانی آن گھیرے تو رب تعالیٰ کا فرمان علیشان پیش نظر رکھیں کہ

وَ اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوۃِؕ-وَ اِنَّهَا لَكَبِیْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِیْنَ[13]

اور صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو اور بیشک نماز ضرور بھاری ہے مگر ان پر جو دل سے میری طرف جھکتے ہیں۔

کہ ہر مسلہ کا حل اسی ذات وبابرکات کے فضل و کرم سے ممکن ہو پاتا ہے اور سبھی امورِ دنیا کا اُسی ذات والا صفات کی طرف لوٹایا جانا ہے لہذا اپنی بے بسی ولاچاری کا اُسی کو فریق بنا کر مدد واستعانت طلب کی جانی چاہیے کہ جس کے قبضہ قدرت میں تمام جن وانس کا جان ہے۔

3۔مالی وسائل ومسائل میں عدم توازن

زوجین کو اپنے گھر کے مالی وسائل کا مکمل طور پر ادراک ہونا چاہیے۔ میاں، بیوی کو ایکدوسرے کے ساتھ اس موضوع پر گفتگو کرنی چاہیے کہ اُن کی مالی استطاعت کیا ہے؟ اور اُن کے گھر کے اخراجات کتنے ہیں؟ اور اگر دونوں میں مطابقت موجود ہے تو اِس توازن کو خوش دلی کے ساتھ قبول کرنا چاہئے اور شکر گزار ہونا چاہیے کہ کامل قدرت رکھنے والے نے انہیں اُن کی چادر کے مطابق وسائل مہیّا فرما رکھے ہیں اور اگر وسائل واخراجات میں تفاوت پیدا ہو رہا ہے تو اُسے کے محرّکات کیا ہیں؟ اور آمدن واخراجات میں جو خلیج بڑھ رہی ہے اُسے کیسے کم کیا جا سکتا ہے؟

مشاہدہ عام کی بات ہے کہ گھروں میں ایسا ماحول بنانے کی تربیت بھی نہیں دی جاتی اور نصیحت بھی نہیں کی جاتی کہ زندگی کہ وہ گاڑی جو میاں وبیوی نے مل کر چلانی ہوتی ہے، اس کے بنیادی لوازمات کیا ہیں؟ اور کہیں پر اگر کوئی رکاوٹ درمیان میں آجائے تو اُسے کیسے دور کرنا ہے؟ عام طور پر تمام مشکلات دونوں کو شادی کے بعد ہی سمجھ آنی شروع ہوتی ہیں اور اگر دونوں میں ذہنی ہم آہنگی موجود ہوئی تو ٹھوکریں کھاتے کھاتے ۱۰ سے ۱۵ سال میں سنبھل جاتے ہیں کہ ازدواجی زندگی کو کیسے بسر کرنا ہوتا ہے اور اگر وہی تجربات جوان کی ذات

پر مصائب آنے کے بعد انہیں حاصل ہوتے ہیں،والدین یا سربراہان قبل از وقت یا وقت کے ساتھ ساتھ انہیں آگاہ کرتے جائیں اور دونوں میں اتفاق پیدا کرنے کی اور آپس میں مل وجل کر مشورہ سے چلنے کی روایت ڈالی جائے تو عمر رواں کا وہی حصہ جو تجربات کی بھینٹ چڑھا اُسے مفید انداز میں بروئے کار لاسکتے ہیں اور عشرہ گزرنے کے بعد وہ ذہنی طور پر بھی مضبوط ہوجائیں گے اور مالی لحاظ سے بھی انہیں انتظام اونصرام کرنے کی فہم وفراست حاصل ہوجائے گی کہ چادر دیکھ کر پاؤں کب پھیلانا ہے اور کتنا پھیلانا ہے۔اور اس میں زوجین کا ہی بنیادی کردار ہوسکتا ہے کہ وہ اِن باتوں کو آپس میں گفتگو کے ذریعے حل کرنے کا لائحہ عمل مرتب کریں اور سختی سے کاربند رہیں اور اسلامی نقطہ نظر کو کبھی بھی ذہن سے محو نہیں ہونے دیناچاہیے کہ

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَاؕ-لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ عَلَیْهَا مَا اكْتَسَبَتْؕ[14]

اللہ کسی جان پر اس کی طاقت کے برابر ہی بوجھ ڈالتا ہے۔کسی جان نے جو اچھا کمایا وہ اسی کیلئے ہے اور کسی جان نے جو برا کمایا اس کا وبال اسی پر ہے۔

کہ ہر انسان پر بوجھ اس کی استطاعت کے مطابق ہی ڈالا جاتا ہے اور اسی کے مطابق ہی اسے چلنا چاہیے اور یہی پیغام زوجین مقدم رکھیں تو انہیں کبھی بھی ضروریات وخواہشات میں فرق کرنے کے حوالے سے تشکیک نہ ہو کہ ضرورت پوری کرنا لازم ہے یا خواہشات کی اتباع میں خود کو ہلکان کیے جانا ہی مقصدِ حیات ہے۔

4۔ذاتی ترجیحات کا تعین

تعلق زوجین میں دونوں اطراف سے جذبہ ایثار کا موجود ہونا انتہائی ناگزیر ہے کیونکہ اسی کے تحت ایکدوسرے کے حقوق وفرائض احسن انداز میں ادا ہوسکتے ہیں۔ اگر دونوں طرف سے خود کی ذات پر دوسرے کو ترجیح دی جائے گی تو لامحالہ تعلق میں حُسن پیدا ہوگا۔گھر کا ماحول خوشگوار ہوتا چلا جائے گا اور ہر سو رحمت وبرکت کی برسات ہوتی نظر آئے گی کیونکہ خالقِ کائنات نے صرف اس رشتے کو اپنے نام سے جوڑ کر حلال کیا ہے باقی تمام رشتے اسی کی بنیاد پر بنتے اور بکھرتے ہیں اور اُن میں وہ چاشنی،وہ لذت کسی بھی طرح پیدا نہیں ہوسکتی جو اس رشتہ زوجین میں رکھی گئی ہے۔ کیونکہ دیکھا جائے تو والدین سے اولاد کا تعلق رشتہ ازدواج طے ہونے کے بعد وجود میں آتا ہے۔دودھیان ونھیال کا تعلق بھی اسی کے سبب سے پیدا ہوتا ہے۔بھائی وبہن کے تعلق میں بھی یہی کارفرما رہتا ہے اور میکے وسسرال کا ناطہ بھی اسی کا جزولاینفک ہے اور یہ وہ تعلق ہے جسے صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ کے بتلائے وطے کئے ہوئے طریقے کے مطابق جوڑا جاتا ہے باقی تمام تاروپود خود کار طریقے سے وجود میں آنے لگتے ہیں۔

لہذا!اگر اسی تعلق میں خودغرضی کا عنصر غالب آجائے تو کسی بھی طرح اس کا حُسن برقرار رکھنا ممکن نہیں۔یہ کچے دھاگے کی مانند بندھا ہوا جوڑا اگر تشکیک کے دائرے میں آنے لگے تو ممکنات میں سے ہے کہ دھاگہ ٹوٹنے کے قریب پہنچ جائے۔پس یہ طے کرنا ازحد ضروری خیال کیا جانا چاہیے کہ آپس کے معاملات میں ذاتی ترجیحات کو ثانوی حیثیت دی جائے اور دوسرے کی ضرورت کو مقدم رکھا جائے۔

جبکہ عصر حاضر میں زوجین کے ٹوٹتے رشتوں کا جائزہ لیا جائے تو دونوں فریق نکاح کے بندھن میں بندھ جاتے ہیں لیکن خود کی ذات کے حصار کو نہیں توڑتے کہ جس میں انہوں نے اپنی امیدوں،توقعات اور خواہشات کو قید کیا ہوتا ہے۔سسرال میں جاکر بھی خود کی ذات ہی

مقدم و معتبر ٹھرتی ہے کہ جو اُسے بہتر لگے گا وہی کیا جائے گا جبکہ عملی زندگی کو خوشگوار بنانے کا طریقہ تھوڑا الٹ ہوتا ہے کہ جب نئے گھر کے ماحول میں رہنا شروع کریں تو ذاتی ترجیحات کو ثانوی درجے پر لانا پڑتا ہے، اس گھر کے رسوم و رواج کے مطابق خود کو ڈھالنا پڑتا ہے، طور طریقوں سے واقفیت حاصل کرنی ہوتی ہے اور جب معاملات کی تفہیم حاصل ہو جائے، وسائل و مسائل سے آگاہی مل جائے تو آہستہ آہستہ مثبت و تعمیری تغیّر و تبدل لایا جاتا ہے تاکہ سبھی اُسے خوشدلی سے قبول کر لیں۔

کیونکہ ایک نئے فرد کی آمد سے، ریت رواج میں پروان چڑھے قدیم ماحول میں انقلاب برپا کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ جس کا ایک پہلو تو اُس ماحول میں پلے و بڑھے لوگوں کی نفسیات کا ہوتا ہے کہ انہوں نے جہاں برس ہا برس زندگی گزاری ہے اور جو رہ و رسم انہوں نے اسلاف سے سیکھی ہوتی ہے وہ کسی ایک نئے فرد کے سبب تبدیل نہیں کریں گے اور دوسرا پہلو کہ وہ نیا فرد چونکہ ابھی وہاں قبولیت عامہ حاصل نہیں کر پاتا اور دیکھنے وسننے والوں کو اچنبھا محسوس ہوتا ہے کہ اچانک کیسے وہ کسی دوسرے کی بات کو تسلیم کر لیں حالانکہ اُس نے بھی چند دن ہی اُن کے درمیان میں بسر کئے ہوتے ہیں، اس طرح کے اُس گھر کا مکمل اختیار کسی اور کے سپرد ہو جائے گا جو کہ کسی کے لیے بھی قابل قبول نہیں ہوتا کہ جس گھر کی چار دیواری جنھوں نے اپنے ہاتھوں سے کھڑی کی ہو، ہر اینٹ کے ساتھ اُن کا خواب جڑا ہو اور ہر ستون کے ساتھ ایک جھولا جھلایا گیا ہو، اُسی گھر کی ملکیت کسی دوسرے کے سپرد کر دی جائے تو انسانی نفسیات اس بات کی جلد اجازت نہیں دیتیں اور اسی پہلو کو سمجھنے میں نو بیاہتے جوڑے سے غلطی سرزد ہو جاتی ہے۔

وہ جوڑا اُسی بچپنے کے خیالات میں مگن ہوتا ہے جبکہ باہر کی دنیا شادی طے کرتے ہی مکمل طور پر اپنی طرز فکر کو تبدیل کر چکی ہوتی ہے۔ اُن کے خیال میں زوجین کو اپنی ذمہ داری خود کے کندھوں پر اٹھانی چاہیے جبکہ دوسری طرف ابھی سہانے خوابوں کا سماں بندھا ہوا ہوتا ہے جس سے باہر نکلنے کو اُن کا من نہیں کرتا اور زمین جب پاؤں کے نیچے سے سرکنا شروع کرتی ہے تب زوجین صدمے سے دوچار ہوتے ہیں کہ ایسا تو انہوں نے ابھی سوچا بھی نہیں تھا جو اُن کے ساتھ ہو گیا۔ اس سارے عمل میں انہیں کامل طور پر ذمہ دار بھی نہیں ٹھرایا جا سکتا کیونکہ انہیں کبھی ان جہت کی طرف توجہ دلانے کی سرسری سی کوشش بھی نہیں کی گئی ہوتی کہ وہ وقت آنے سے پہلے مستقبل کے بارے میں فکر مند ہونا شروع کر دیں، کہیں نہ کہیں سربراہانِ خانہ پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ انہیں اس معاملے میں بر وقت کردار ادا کرنا چاہیے تھا جو کہ نہیں کیا گیا ہوتا لہٰذا مشکلات کا مرحلہ جب شروع ہوتا ہے تو ذہنی طور پر تیار نہ ہونے اور بر وقت رہنمائی نہ ملنے کے سبب اختلافات جنم لینے لگتے ہیں جہاں سے تنازعات کا آغاز ہوتا ہے اور سلسلہ دو خاندانوں میں جھگڑوں سے ہوتا ہوا اکثر اوقات قطع تعلقی پر منتج ہوتا ہے جو کہ کسی بھی طور پر درست اقدام نہیں گردانا جا سکتا لہٰذا اس حوالے سے دونوں کی تربیت کی جانی چاہیے کہ کب خود کی ذات کو ترجیح دینی ہے اور کب شریک سفر کی ضروریات کو مقدم رکھنا ہے کیونکہ اسی کی بنیاد پر رشتہ وناطہ مستحکم و مضبوط ہوتا ہے۔

5۔ احساس ندامت کا پروان چڑھنا

زوجین میں تفریق کے عوامل کو بڑھاوا دینے میں احساس ندامت کا اُجاگر ہونا بھی شامل ہے کیونکہ ذہنوں میں الجھن، پچھتاوا اور آپس کے تعلق میں اکتاہٹ جیسے عناصر پنپنے لگیں تو رشتہ کی چاشنی ختم ہونے لگتی ہے۔ ایک بے مروت سا تعلق بامر ی مجبوری نبھایا جانے لگتا ہے جو دلوں میں کدورتوں کو جنم دینے میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ جسمانی آسودگی میں بھی اذیت محسوس ہوتی ہے اور ذہنی طور پر انسان

کب کا جدا ہو چکا ہے بس اظہار کے لیے ایک موقع کی تلاش ہوتی ہے کہ جیسے ہی میسر آئے، غبار کو نکال باہر کیا جائے، یہ بحث الگ رہی کہ وہ ردعمل درست رہا یا غلط لیکن مَن کی تسلی ہو گئی کہ جس سے جان خلاصی کروانا مقصود تھا وہ ہو گیا۔

اِس کے پس پردہ ممکنہ طور پر متعدد وجوہات ہو سکتی ہیں جیسا کہ عصری مسائل کو دیکھ لیا جائے کہ پہلے پہل دونوں کو ایکدوسرے کی شکل پسند نہیں آتی کہ قبل از شادی دونوں نے جس سوشل میڈیا سے ازدواجی زندگی کو آئیڈیلائز کیا ہوتا ہے، اُس کا جب عملی طور پر آغاز ہوتا ہے تو وہ توقعات پوری نہیں ہوتیں جنھوں نے شعوری یا لاشعوری طور پر دونوں کو اپنا گرویدہ بنایا ہوتا ہے تو پہلا صدمہ فگر(Figure) کا متوقع طور پر پسند نہ آنا بھی ہے۔ پھر مالی لحاظ سے خاندانی سطح پر استحکام کا نہ ہونا بھی شمار کیا جا سکتا ہے جیسا کہ آغاز میں دونوں کے پاس کچھ جمع و پونجی ہوتی ہے جس کے ذریعے خواہشات کو پورا کیا جانا آسان ہوتا لیکن جیسے جیسے وہ ذریعہ ختم ہونے لگتا ہے ویسے ویسے تنگدستی کا خوف غالب آنے لگتا ہے کہ جب پاس پیسہ نہیں ہو گا تب کیا کریں گے اور خدانخواستہ اگر حالات کچھ ویسے ہی بن جائیں جیسے خیالات آرہے ہوتے ہیں تو صدمے گہرے ہوتے جاتے ہیں کہ شادی سے پہلے کیا کیا خواب دیکھے تھے، پہاڑی علاقوں کی سیر کو جائیں گے، ہنی مون کو اسقدر شاندار انداز میں منائیں گے کہ لوگ مثالیں دیں گے وغیرہ وغیرہ اور جیسے ہی پہلے سے طے شدہ منصوبے پورے ہوتے دیکھائی نہیں دیتے، ذہنی الجھنوں میں اضافہ ہونے لگتا ہے جس کا بعض اوقات حتمی نتیجہ طلاق کی صورت میں بر آمد ہو رہا ہے۔

ایک اور وجہ جو سامنے آتی ہے کہ شادی کے بعد وہ دوست واحباب جو لڑکے اور لڑکی سے ملنے کے لیے خاندانی سطح پر تشریف لاتے ہیں، اُن کی طرف سے کی گئی گفتگو کے اثرات کا نتیجہ بھی شامل حال دیکھائی دیتا ہے۔ کچھ اُن میں سے صاحب ثروت ہو سکتے ہیں اور کچھ متوسط یا غریب خاندان سے تعلق رکھنے والے، کچھ شادی شدہ ہو سکتے ہیں اور کچھ غیر شادی شدہ، ممکنات میں سے ہوتا ہے کہ کچھ نے حقائق کو پرکھ لیا ہو اور کچھ ابھی خواب وخیالوں کی دنیا میں رہ رہے ہو جو اِس نوبیہاتے جوڑے سے ملاقات کو آتے ہیں اور اپنی اپنی آرا کا اظہار کرنے کے ساتھ ساتھ متفرق مشوروں سے بھی نوازتے ہیں اور وہی مشورے ہی بعد ازاں خیالی دنیا میں گُم ہونے کا سبب بنتے ہیں جو اس قدر حسین دیکھائی دیتی ہے کہ فرد نہ چاہتے ہوئے بھی اسی میں گُم رہنے لگتا ہے اور معاملہ تبھی بگاڑ کی صورت اختیار کرتا ہے جب وہ سوہانے خواب بکھرنے لگتے ہیں اور یہیں سے پچھتاوا جنم لیتا ہے جو تعلق میں تنازعات کی بنیاد بنتا ہے اور نوبت قطع تعلقی تت آن پہنچتی ہے۔

لہٰذا! والدین یا سربراہانِ خانہ کو چاہیے کہ دونوں کو حقائق سے آگاہ رکھیں کہ کیا مالی استطاعت ہے؟ اور کس حد تک خواہشات کی تکمیل کی جا سکتی ہے؟ اور کس طرح انہیں خاندانی وسائل کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے مستقبل سے جڑے منصوبوں کو مکمل کرنا ہے اور کسی پریشانی کی حالت میں حواس باختہ ہونے کی بجائے ہوش وحواس کو قائم رکھتے ہوئے مسائل کا سامنا کرنا ہے اور خاص طور پر آپس کے تعلق کے بارے میں کسی قسم کے شک وشبہ میں مبتلا نہیں ہونا اور ایکدوسرے کے لیے حوصلہ افزائی کرنے والا کردار ادا کرنا ہے تا کہ خاندانی نظام باہم مربوط رہے اور سماجی ربط مستحکم رہے جبکہ شرعی ہدایات میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ اہل اسلام کو ایکدوسرے کے بارے میں حُسن ظن رکھنا چاہئے اور اکثر گمان انسان کو گمراہی میں مبتلا کر سکتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ-اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ [15]

اے ایمان والو! بہت زیادہ گمان کرنے سے بچو بیشک کوئی گمان گناہ ہو جاتا ہے۔

6۔ دوسروں کی نقالی میں خود کو ہلکان کیے رکھنا

عصر حاضر میں دیگر فتنوں کے ساتھ ساتھ سوشل میڈیا کا بے دریغ استعمال بھی شامل ہو گیا ہے کیونکہ اس کے ذریعے وہ طرز زندگی بھی عام آدمی کے مشاہدہ میں آرہی ہے جو اس کی استطاعت میں نہیں جیسا کہ دولت مند لوگوں کی شاہانہ طرز زندگی یا غربی طرز زندگی جو کہ مشرقی ممالک میں رہنے والی اکثریت آبادی کے لیے ممکن نہیں۔ اس سوشل میڈیا کے ذریعے وہ مناظر بھی منظر عام پر آ گئے ہیں جو کبھی صرف ایک مخصوص طبقہ تک محدود ہوا کرتے تھے یا اُن کے ملازمین ہی اُن مناظر سے آگاہ ہوا کرتے جیسا کہ شاندار محلات میں رہنے والوں کا رہن وسہن، پُر آسائش سوسائٹیوں میں رہنے والے لوگوں کا طرز ہائے حیات یا بعض ایسے مناظر جو صرف مغربی اقوام کو ہی زیبا دیتے ہیں، یا وہ تمام مناظر جو الیکٹرانک سکرین کے ذریعے ڈرامہ یا فلم کی صورت میں لوگوں کے ذہنوں میں انڈیلے جارہے ہیں جو کسی حد تک حقیقت کے قریب تر دیکھائی دیتے ہیں لیکن حقائق کی درست ترجمانی نہیں کرتے اور اس کے ساتھ ساتھ اُن کا یہ دعوٰی کہ لوگوں کو تفریحی پروگرام مہیا کیے جارہے ہیں جبکہ اُن پروگراموں کے لوگوں کے ذہنوں پر کیا بھانک اثرات مرتب ہو رہے ہیں، اُن سے اس فلمی صنعت کو کوئی سروکار نہیں کیونکہ اگر وہ لوگوں کے فوائد ونقصانات کے بارے میں سوچیں گے تو خود کی صنعت کو کیسے بڑھاوا دے پائیں گے۔

لہذا پیسے کی ریل پیل دیکھا کر خود کے لیے ذریعہ روزگار بنا رکھا ہے اور دوسرے کئی افراد کو سوہانے خوابوں کی دنیا دیکھا کر غیر فطری خواہشات و آسائشوں کے حصول کے لیے اُتاؤلا کر رکھا ہے اور جو اُتاؤلے ہو چکے ہیں وہ خود کی ایسی کیفیت سے بھی انکاری ہیں کہ وہ کسی مرض کا شکار ہیں اور خود انہیں بھی اُس کا احساس نہں بلکہ انہیں یقین دلا دیا گیا ہے کہ وہی سب سے بہتر طرز زندگی ہے جو اُس سکرین کے ذریعے دیکھائی جارہی ہے کہ ہر طرف روشنیوں کی چکاچوند، ہنستے و مسکراتے خوبصورت چہرے، ہر سمت ہریالی وخوشحالی، ہر کسی کو من چاہی زندگی کا حاصل ہونا، آزادی اظہارے رائے کہ جو خرافات بھی من کے اندر انگڑائی لیں بلالحاظ شرم وحیا، کہیں بھی اس کو بیان کریں ، کسی کو کوئی روک وٹوک نہیں سکتا بلکہ لوگ سے دادو تحسین سمیٹیں کہ کیسا جری فرد سطح زمین کے اوپر رہ رہا ہے جو ہر کسی بات کو ناپ وتول کئے بغیر بیان کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور یہ سب کرنے کے لیے صرف ایک موبائل اور سوشل میڈیا سے ربط بنانے کے لیے مطلوبہ ذرائع کا ہونا کافی ہے اور پوری دنیا آپ کو قدموں میں ڈھیر پڑی ہے۔

یہ تمام پہلو صرف سوشل یا الیکٹرانک میڈیا کے سبب ہر آدمی کی آنکھ بلا حیل وحجت اور بلا استشنا ہمہ وقت دیکھ رہی ہے جس کے اپنے مثبت و منفی نفسیاتی اثرات مرتب ہو رہے ہیں جن کے سبب بعض زندگیاں تبدیل ہو گئیں اور بعض نے اپنی چادر وچار دیواری کی استطاعت سے بڑھ کر قدم اٹھانے کی کوشش کی اور پہلے سے موجود وسائل سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔ چونکہ اِن پیام رسانی کے ذرائع کے اوپر کسی بھی قسم کی پابندی نہیں اور نہ ہی یہ کسی اصول وضوابط کے تحت آتے ہیں لہذا جس کے بس میں جو آئے وہ اپلوڈ کیے جارہا ہے اور دیکھنے والے انہی کی اتباع میں خود کو ہلکان کیے جارہے ہیں اور کسی کو اتنی فرصت بھی نہیں رہی کہ جس کی نقالی کرنے کی سر توڑ کوششیں کی جارہی ہیں وہ اُن نقل کرنے والوں کی زندگی سے کوئی مطابقت بھی رکھتی ہے یا نہیں؟ اور اگر مطابقت رکھتی بھی ہے تو کیا یہ لازم ہو گیا ہے

کہ جو دوسرے کر رہے ہیں، ہو بہو وہی کرنے کی کوشش کی جائے گی یا جو انہیں سہولیات میسر ہیں وہ نقالی کرنے والوں کو بھی میسر ہیں؟ یا جیسی زندگی وہ بسر کر رہے ہیں بعینہٖ نقالی کرنے والوں کو بھی میسر ہے۔

اور اگر یہ تمام پہلو بھی مشترک ہوں تو پھر بھی یہ کس نے لازم کر دیا کہ دوسروں کے ہم پلہ دکھنے یا سبقت جتانے کے لیے بمقابلہ بازی میں پڑا جائے۔ بالکل وہی اعمال سرانجام دئے جائیں جو دوسروں نے اپنی ویڈیوز میں اپلوڈ کئے ہوئے ہیں، تھوڑا سا غور و فکر کیا جائے تو اُن کی خود کی زندگی ہے جو انہیں خاندانی سطح پر، ملکی سطح پر یا ذاتی دستیاب وسائل کے باعث آسائشیں حاصل ہیں، اُس کے پس پردہ کیا محرکات ہو سکتے ہیں حقیقتِ حال سے کامل واقفیت نہیں ہو سکتی لہٰذا دوسروں کی نقالی کرنے میں خود کو ہلکان نہیں کرنا چاہیے۔ ہر فرد کو منفرد صلاحیتوں کے ساتھ رب تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے کہ کسی نے ڈاکٹر بننا ہے تو کسی نے پائلٹ، کسی نے انجینئر بننا ہے تو کسی نے میکینک، کسی نے راہنما بننا ہے تو کسی نے کارکن، کسی نے مزدوری کرنی ہے تو کسی نے کاروبار کو چلانا ہے، کسی نے روٹی وروزی کی تلاش کے لیے دن ورات کو ایک کرنا ہے اور کسی کے گھر میں نعمتوں کی فراوانی ہے، کسی نے کثرتِ اولاد جیسی ذمہ داری سے نبرد آزما ہونا اور کوئی اولاد کے حصول کے لیے در در کی ٹھوکریں کھائے گا۔ یہ اُسی رب ورحمان کے طے کئے ہوئے فیصلے ہیں، جن سے سر مو انحراف ممکن ہی نہیں۔

تو جس نے معاشی، سیاسی، سماجی اور عسکری لحاظ سے مختلف طبقات بنائے ہیں تاکہ سبھی انسان کسی نہ کسی ضرورت کے تحت ایکدوسرے کے ساتھ جُڑے رہیں اور ہاتھ بٹاتے رہیں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی یہ اُن تفرقات کو صرف خواہشات کی بنیاد پر مٹا ڈالے جب تک کہ درست اور جائز ذرائع اختیار کر کے مطلوبہ مقام و مرتبہ حاصل نہیں کر لیتا۔ محنت وطلب پر قدرت نے کسی قسم کی پابندی نہیں لگائی کہ کوئی بھی فرد جس طبقے میں پیدا ہوتا ہے اُس کے حصار کو توڑ کر دوسرے طبقے میں شامل نہیں ہو سکتا لیکن جو اُس نے اصول ضوابط متعین کئے ہیں انہی کے مطابق لائحہ عمل مرتب دیا جائے اور حصولِ مراتب کے لیے درست طریقہ اختیار کیا جائے تو محنت کرنے والوں کو وہ خود لازوال نعمتوں نے نوازتا ہے اور جب وہ نوازتا ہے تو پھر کسی طرح کی کمی نہیں رہنے دیتا لیکن اسُ کے لیے خود کی ذات کی پہچان لازم ہے کہ اُسے کن صلاحیتوں نے نوازہ گیا ہے اور انہیں سے استفادہ کرتے ہوئے برتر وافضل مقام پر پہنچنا مفید ثابت ہو سکتا ہے۔

لہٰذا چادر کے مطابق پاؤں پھیلائے اور بہتری کے لیے رب تعالیٰ سے دعا کے ساتھ ساتھ عمل بھی کرتے رہئے کہ غیر اقوام کی نقل کرنے میں بعض اوقات دین ودنیا کا نقصان بھی اٹھانا پڑ سکتا ہے جیسا کہ فرمان نبوی ﷺ ہے کہ

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ [16]

جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی تو وہ انہیں میں سے ہے۔

پس واضح ہوا کہ اپنی پہچان کے مطابق طرز زندگی اپنائے اور زوجین کے تعلق کو محدود وسائل کے مطابق نبھانے کے کوشش کرتے رہیں کیونکہ جن کو اپنے لیے آئیڈل بنائیں گے، انہیں آپ کے طرزِ زندگی سے کوئی سروکار نہیں کہ کونسا جوڑا دن میں کتنی مرتبہ کیا کھانا کھاتا ہے؟ کیسا لباس پہنتا ہے؟ اور کتنے بڑے گھر میں رہتا ہے؟ لہٰذا خود کی استطاعت کے مطابق زندگی بسر کریں اور نقالی کی دوڑ سے باہر نکلیں۔

7۔وقتی تقاضوں سے نابلد ہونا

تعلقِ زوجین میں تفریق کی ایک بڑی اور اہم وجہ دونوں کا وقتی تقاضوں کو اہمیت نہ دینا بھی ہے۔ بعض اوقات شوہر ملازمت یا کاروباری مصروفیات کی وجہ سے جسمانی وذہنی تھکاوٹ کا شکار ہوتا ہے یا اُسے کسی اور طرح کی مالی، خاندانی یا نوکری اور کام کے حوالے سے پریشانی کا سامنا ہوتا ہے جسے ابھی کسی سامنے بیان نہیں کیا جا سکتا اور وہ اُسی مسلہ میں الجھے ہوئے گھر آتا ہے تاکہ کچھ دیر توجہ ہٹ جائے اور آرام مل جائے جبکہ گھر میں آتے ہی زوجہ اُس کی ذہنی کیفیت کو سمجھ نہیں پاتی اور گھریلو ضروریات یا اپنے مسائل کا تذکرہ کرنا شروع کر دیتی ہے جہاں سے شوہر کی الجھن میں مزید اضافہ ہوتا ہے اور وہ ذہنی اذیت محسوس کرتے ہوئے چڑچڑے پن کا شکار ہونے لگتا ہے جس کا حتمی نتیجہ کسی نہ کسی دن لڑائی وجھگڑے کی صورت میں سامنے آتا ہے اور مزید خرابیوں کا سبب بننے لگتا ہے لہٰذا زوجہ کو اِس حوالے سے بھی کوشش کرنی چاہیے کہ وہ وقت کا خیال رکھے کہ کب کیا گفتگو کرنی ہے اور اگر ابھی کسی وجہ سے بات کرنے کا موقع نہیں تو اسے صبر و تحمل سے کام لینا چاہیے اور موقع و محل کا انتظار کرنا چاہیے۔

اسی بات کا دوسرا پہلو زوجہ سے متعلق ہے کہ بعینہ جس طرح شوہر باہر کی مصروفیات کی وجہ سے مختلف مسائل کا شکار ہو کر گھر آتا ہے تاکہ راحت وسکون ملے اور دوبارہ سے تازہ دم ہو کر کام شروع کرے بالکل اسی طرح کی بیوی کو مسائل بھی درپیش ہو سکتے ہیں۔گھر کے کاموں میں سارا دن مصروف رہنے کی وجہ سے اپنی تھکاوٹ دور نہیں کر سکی، بچوں کے ساتھ سارا دن ہلکان ہونے کے بعد شوہر کے انتظار میں رہتی ہے کہ جب آئیں گے تو تھوڑا وقت مل جائے گا کہ آرام کر لیا جائے اور اکثر اوقات انہیں اپنے من کی بات کرنے کے لیے مناسب موقع نہیں مل پا رہا ہوتا تو شوہر کی آمد کے ساتھ ہی انہیں امید لگتی ہے کہ بھڑاس نکالی جائے اور ذہنی اذیتوں سے تھوڑا چھٹکارا مل جائے جبکہ دوسری طرف سے پہلے ہی مسائل کا انبار سر پر رکھ کر گھر کی دہلیز کے اندر قدم رکھا جاتا ہے لہٰذا جب دونوں طرف سے الجھنیں بتائی جاتی ہیں تو دونوں کو ہی کسی ایسے کندھے کی ضرورت ہوتی ہے جو پریشانیاں بیان کرنے کے بعد حوصلہ دے، امید بندھائے اور ہمت جگائے کہ گھبرانا نہیں، پریشان نہیں ہونا مشکل وقت بھی ایک دن گزر جائے گا اور رب تعالیٰ بہتر حالات بھی پیدا فرما دے گا۔

لیکن ایسے تسلی بخش الفاظ کسی فریق کی جانب سے ادا نہیں ہوتے لہٰذا دونوں میں اختلافات بڑھنے لگتے ہیں جو کئی مسائل کو بڑھاوا دینے میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں اور گھر میں چپقلش شروع ہو جاتی ہے جو آہستہ آہستہ روز کا معمول بن جاتی ہے اور وہی گھر جو دونوں کے لیے تسکین حاصل کرنے کا سبب ہوتا ہے، نارِ جہنم کی مثل محسوس ہونے لگتا ہے کہ جہاں کوئی بھی رہنا نہیں چاہتا، کوئی بھی اُس گھر کو جلتا دیکھ کر بجھانا نہیں چاہتا، ہر کوئی وہاں سے دور جانا چاہتا ہے اور ہر مکین سے نفرت آمیز رویہ اختیار کرنے لگتا ہے کیونکہ مکان کو یا مکین کو دیکھ کر وہی آگ سینوں میں جلنے لگتی ہے، وہی تکلیف، اذیت دوبارہ ذہن کے دریچوں میں مچلنے لگتی ہے جو وہاں رہتے ہوئے جلایا کرتی تھی لہٰذا وہ گھر پھر گھر نہیں رہتا، تکالیف کا مرکز بن جاتا ہے جس سے کسی کو بھی اُنس نہیں ہوتی، کوئی بھی اس میں دوبارہ داخل نہیں ہونا چاہتا۔

مختصراً کہا جائے تو زوجین کو ایکدوسرے کی نفسیات سے آگاہ ہونے کی کوشش کرنی چاہیے اور حالات وواقعات کے مطابق اپنی فہم و فراست کو بروئے کار لاتے ہوئے گھریلو معاملات کو چلانا چاہیے اور خاص طور پر کچھ ایسا وقت ضرور مقرر کرنا چاہیے جس میں دونوں ایکدوسرے سے علیحدگی میں بیٹھ کر پریشانیوں کو بیان کر سکیں اور ٹھنڈے دل ودماغ کے ساتھ ایکدوسرے کے مسائل کو سنیں اور حل تجویز کریں اور باہمی اتفاق سے ہی انہیں بروقت مکمل کرنے کا عہد کریں کیونکہ یکطرفہ فیصلے سے نہ وہ مسائل ختم ہوں گے اور نہ ہی ایک

فریق حل کر پائے گالہذا یہ طے ہونا چاہیے کہ کونسے معاملات حل طلب ہیں اور انہیں لازمی حل کیا جانا چاہیے اور کونسے ایسے امور ہیں جو صرف ذہن پر بوجھ ہیں۔ حقیقت میں اُن کا کوئی وجود نہیں، صرف وقت کا زیاں ہیں لہذا انہیں پس پشت ڈال دینا چاہیے اور دوبارہ زیر بحث نہیں لائے جائیں گے کہ بعض اوقات فضول تصورات ہی انسان کو تھکائے رکھتے ہیں جن سے چھٹکارا پانا از حد ضروری امر ہے، اُن سے نجات حاصل کریں اور خود کی زندگی کو سہل کرنے کی طرف سفر شروع کریں، رب تعالیٰ کے فضل و کرم سے جلد منزلِ مراد حاصل ہو جائے گی۔

8۔ نمود و نمائش کا دلدادہ ہونا

عصر حاضر میں نمود و نمائش کو، دکھلاوے کو زندگی کا جزولاینفک بنادیا گیا ہے کہ ہر انسان ہر چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑے عمل کو بھی سوشل میڈیا کے ذریعے دوسرے لوگوں تک پہنچانا مقصدِ اوّلین گردانتا ہے کہ جب تک متبعین(Followers) کو اس فعل کے بارے میں اطلاع نہ دے دی جائے سکونِ قلب و ذہن حاصل نہ ہو گا، جسمانی حالت مضطرب رہے گی، مثل ماہی بے آب وہ تڑپتا و مچلتا رہے گا کہ نہ پائے رَفتن، نہ جائے ماندَن۔

حتیٰ کہ کوئی کپڑا و جوتا خریدا جائے، کوئی کتاب یا رسالہ وصول کیا جائے، کبھی بچے کی سالگرہ منانے کا موقع ہو یا شادی بیاہ کی رسوم کی ادائیگی کا مرحلہ ہو، سفر پر جانے لگیں یا واپسی کا ارادہ ہو، مسجد و مقفل میں عبادت کا تہوار ہو یا حج و عمرہ پر جانے کی سعادت حاصل ہو جائے، بلکہ تھوڑا بے باقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بات کی جائے تو لوگ اندورون خانہ کے معاملات، ساس و بہو کا جھگڑا، بھائی و بہن کی لڑائی، میاں و بیوی کی چپقلش، بچوں کی ولادت یا پھر اُن سے منسلک معمولات برائے نہانے و دھونے کے ہوں، آج سبھی پہلوؤں پر روز روشن کی طرح ہمہ وقت و ہمہ اوست بلا روک وٹوک تبصرے جاری ہیں اور کسی کو احساس ندامت نہیں کہ وہ مزاح یا تفریح کے نام پر کیا گُل کھلا رہا ہے اور اِس کے دوررس نتائج کتنے بھیانک ہوسکتے ہیں۔

اور شائد یہ بھی ممکن ہے کہ آج کے تعلقات میں دکھلاوا، تکبر اور رعونت کا سبب یہی رجحان ہو جو اخلاقی و سماجی روایات کو بہا کر لے جا رہا ہے کہ بھائی بھائی کا گلہ کاٹتے ہوئے یہ نہیں سوچتا کہ وہ کتنا بڑا ظلم کر رہا ہے بلکہ اُس کی کوشش ہو گی کہ اس سارے فعل کو کسی منفرد انداز میں کیا جائے اور اُسے کیمرہ میں محفوظ کر کے ناظرین تک پہنچایا جائے تاکہ وہ محظوظ ہو سکیں اور Fan Followning بڑھائی جا سکے۔ کہیں بچوں کے ساتھ جنسی زیادتی و قتل جیسے مناظر کو فلمایا جارہا ہے اور کہیں انسان و جانور کا غیر فطری ملاپ بڑھا و چڑھا کر پیش کیا جارہا ہے۔ کہیں کسی کی غربت کو بیچ چوراہے تضحیک کا نشانہ بنایا جاتا ہے اور کہیں کسی کی امیری کے سامنے سجدہ ریز ہونے کو قابل فخر گردانا جاتا ہے۔ کہیں کوئی امتیازی تعلیمی اسناد حاصل کرنے کے بعد در در کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور دیکھائی دیتا ہے کیونکہ اُس نے سبق پڑھا تھا صداقت کا، عدالت کا اور شجاعت کا اور اُسی کے ساتھ اُس کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو گئی کہ شائد اُسے دنیا کی امامت سونپی جائے گی تبھی اتنی لگن سے مگن رہا لیکن اس کے برعکس ایک ننگ و دھڑنگ وجود، کچھ الٹ بٹانگ حرکتیں کرنے کی وجہ سے کہیں بڑھ چڑھ کر مالی لحاظ سے مستحکم دکھلایا جاتا ہے اور دوسروں کے لیے مشعل راہ(Ideal) بنا کر پیش کیا جاتا ہے تاکہ باقی بھی اسی کی اتباع کریں اور یہی سبب ہے آج کے تعلقات عامہ میں خود غرضی، نفسا نفسی اور انا پرستی کے در آنے کا۔

کہ لوگ اسی میں خود کی بقااور محفوظ زندگی کی ضمانت تلاش کرنے میں جتے ہوئے ہیں اور زوجین بھی اسی سماج کا حصے ہیں جس میں مذکورہ بالا تمام پہلوؤں بدرجہ اتم موجود ہیں کہ بچے بوڑھے سبھی اسی راستے کے متلاشی دیکھائی دیتے ہیں اور پھر جب وہی افراد ایسی آفتوں میں مبتلا ہو جائیں گے تو نسل نو کی پرورش وتربیت بھی اُسی ڈگر پر ہو گی لہذا تعلق زوجین میں پیدا ہونے والے افتراق کا ایک سبب نمود ونمائش میں خود کو ہلکان کیے رکھنا بھی ہے کہ انہوں نے اپنے بڑوں سے اور ارگرد کے ماحول سے یہی دیکھتے وسنتے ہوئے پرورش پائی ہے اور اُن کی نفسیات بھی انہیں کے مطابق ڈھلی ہوئی ہیں تو کیسے خود کو بچاسکتے ہیں۔ چار ناچار وہ بھی اسی راہ کے مسافر بنیں گے اور جب کوئی تیسرا فریق درمیان میں حائل ہو جائے گا تو رشتے میں دراڑ آئے گی اور پھر یہی دراڑ قطع تعلقی تک لے آتی ہے جو کہ عصر حاضر کا سب سے بڑاالمیہ بنتا جارہا ہے اور فریقین میں سے کوئی بھی اِس حادثے کو سنجیدہ لینے کے لیے تیار نظر نہیں آتا۔ یہی سبب ہے کہ زندگیاں اجڑ رہی ہیں اور گھر برباد ہوتے جارہے ہیں اور ایثار وقربانی جیسے جذبات کا قحط بڑھتا جارہا ہے جو کہ ایک دن خاندانی نظام زندگی کے لیے زہر قاتل ثابت ہو گا اور تب پچھتاوئے کیا ہوت۔ جب چڑیاں چگ گئی کھیت۔

9۔ فکری مطابقت کا پیدا نہ ہونا

تعلقات میں تفریق کا ایک اہم عنصر فریقین کی فکر ہم آہنگی کا پیدا نہ ہونا بھی ہے کہ دونوں طرف سے ایک گہری خلیج حائل ہوتی ہے جو کسی بھی طرف سے کم کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی اور وقت کے ساتھ ساتھ اُس میں مزید اضافہ ہی ہوتا ہے۔ وہ تعلق چاہیے دو دوستوں کے درمیان ہو، دوکاروباری شراکت داروں کے درمیان ہو، زوجین کے درمیان ہو یا حتی کہ اولاد اور والدین کے درمیان بھی یہ فرق گہرا ہو تا جائے تو کبھی بھی ایک مطلوب پہلو پر اتفاق پیدا نہ ہو سکے گا حالانکہ والدین نے اپنی اولاد کی خود کے ہاتھوں سے پرورش وتربیت کی ہوتی ہے لیکن افکار میں اختلاف گہرا ہو تا جائے تو یہاں بھی اِس فکری اختلاف کے دوررس نتائج بر آمد ہوتے ہیں۔

اور جب بات کی جائے زوجین کے رشتے کی کہ، اگر اس تعلق کی بنیاد میں ہی خرابی پیدا ہو جائے تو زندگی کا یہ سفر خاصا دشوار گزار ہو جاتا ہے اور خاندانی نظام کی یہ کڑی کبھی کبھار تو برس ہابرس ساتھ جڑے رہنے کے باوجود بھی کمزور دھاگے کے مثل ثابت ہوتی ہے اور کبھی قسمت یاوری کرے تو آغاز میں ہی انسیت ومودت کا ایساماحول بنتا ہے کہ لوگ مثالیں دیتے نہیں اکتاتے۔

لہذا! والدین یا سربراہان خانہ کو اس طرف خصوصی توجہ دینی چاہیے کہ دونوں میں ذہنی ہم آنگی پیدا ہونے کے مواقع پیدا کیے جائیں کیونکہ جنہوں نے مستقبل میں ساتھ نبھانا ہے وہ سفر کے آغاز سے ہی کامل طور پر آشنا ہو جائیں گے تو باقی سفر بآسانی گزر جائے گا ورنہ کٹھن مراحل سے گزرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ اُن کٹھن مراحل کے بارے میں گفتگو کی جائے تو جو پہلو بعض اوقات نمایاں تر ہوتے ہیں ان میں عمروں کا آپس میں تفاوت کہ کبھی شوہر کی عمر کم یا زیادہ اور کبھی زوجہ کی طرف سے ایسا معاملہ پیش آتا ہے جس کے سبب ذہنی آسودگی حاصل ہونے میں دشواری پیش آتی ہے۔ کبھی خاندانی نظام میں تفاوت ہوتا ہے کہ زوجہ نے جس خاندان میں رہتے ہوئے، جس ماحول میں پرورش وتربیت حاصل کی ہوتی ہے اور جس خاندان میں بیاہی جاتی ہے دونوں میں خاصا فرق ہوتا ہے، جس کے سبب لڑکی کو سمجھنے اور سمجھوتہ کرنے میں خاصی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے کیونکہ جیسی نفسیات اُس کی بچپن سے پروان چڑھی ہوتی ہیں، درپیش صورتِ حال میں معاملہ اُن سب مراحل کے برعکس ہوتا ہے جسے آسانی سے قبول نہیں کرپاتی اور ردعمل میں چپقلش کے مواقع بڑھتے جاتے ہیں۔

اسی پہلو سے جڑا ہوا ایک اور معاملہ جو سامنے آتا ہے کہ زوجین میں ضروریات وخواہشات کے حصول میں عدم مطابقت کا بھی ہے کہ شوہر امورِ خانہ کو پیش نظر رکھ کر اخراجات کی منصوبہ بندی کرتا ہے اور زوجہ کی طرف سے دیگر خواہشات کی تکمیل زیادہ ترجیح حیثیت رکھتی ہے یا اس کے برعکس بھی معاملہ پیش آسکتا ہے کہ دونوں میں ذہنی ہم آہنگی کس سبب سے پیدا نہیں ہو رہی۔اس جہت پر متعدد وجوہات کو بیان کیا جاسکتا ہے لیکن تنگی داماں کے پیش نظر مختصراً بیان کیا جائے تو خاندانی نظام کے بگاڑ میں زوجین کے درمیان ذہنی ہم آہنگی کا پیدا نہ ہونا بھی ایک سنجیدہ پہلو ہے جس کے سبب کئی خاندان آپس میں جھگڑوں کا شکار ہو رہے ہیں اور طلاقیں واقع ہو رہی ہیں لہذا! اس حوالے سے بھی غور وفکر کیا جانا چاہیے اور نو بیاہتے جوڑے کو رہنمائی مہیا کی جانی چاہیے کہ کس طرح آپس کے تعلقات کو بہتر سے بہترین کی طرف لایا جاسکتا ہے اور اگر کسی ایک فریق کو اپنی انا کی قربانی دینی پڑے اور تعلق کو بچانا پڑے تو کوشش کی جائے کی انا کی قربانی دی جائے اور رشتے کو بچالیا جائے تاکہ اس رشتے سے جڑے دوسرے لوگوں کو دیگر اذیتوں سے محفوظ رکھا جاسکے اور خاندانی نظام احسن انداز میں باہم مربوط رہے۔

10۔خاندانی روایات کا متضاد ہونا

بعض اوقات دونوں خاندانوں کی مقامی وسماجی روایات ایکدوسرے کے برعکس ہوتی ہیں کہ جن میں مشترک اقدار نہ ہونے کے سبب مسائل جنم لیتے ہیں جیسا کہ مسلم روایات کے مطابق دیکھا جائے تو ایک خاندان میں شرعی ہدایات کی پابندی کی جاتی ہے جبکہ دوسری طرف سے اُن اقدار پر سختی سے کاربند نہیں رہا جاتا کہ پابندی صوم وصلوٰۃ یا کاہلی برتنے والے کے طبیعتوں میں خاصا تضاد دیکھنے کو ملتا ہے جو کہ آہستہ آہستہ اس سوچ کو بڑھاوا دیتا ہے کہ میرے شریک سفر کو ان اقدار کا کچھ پاس نہیں جو کہ ذہنی طور پر ایکدوسرے سے غیر مطمئن کرنے میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے جس کا حتمی نتیجہ بعض اوقات قطع تعلقی کی صورت میں سامنے آتا ہے۔

بعض اوقات ایسا تضاد بھی سامنے آتا ہے کہ ایک خاندان میں صبح اٹھنے کی روایت ہوتی ہے اور گھر کے کام وکاج صبح سویرے شروع ہو جاتے ہیں اور سبھی افراد خانہ اپنے اپنے روزگار کی تلاش میں بروقت روانہ ہو جاتے ہیں تاکہ شام کو گھر واپسی میں مشکل پیش نہ آئے اور جیسے ہی رشتہ زوجین کے باعث دوسرے خاندان سے تعلق بنتا ہے۔وہاں روزانہ کا معمول پہلے کے برعکس ہوتا ہے کہ صبح دیر سے اٹھنا اور سارے امورِ خانہ کبھی دوپہر کو کر لیے اور کبھی شام کو اور بعض اوقات انہیں اگلے دن تک کے لیے مؤخر کر دیا گیا یا انہیں اسُی حالت میں دسیوں دن پڑا رہنے دیا گیا،رات گئے تک جاگنا معمول عام ہوتا ہے اور معاملات بس کسی طرح کھسیٹ کھسیٹ کر چلائے جا رہے ہوتے ہیں تو ایسے خاندانوں کے آپس میں تعلق قائم ہونے سے بھی مسائل پیدا ہوتے ہیں جو کہ تنازعات کو بڑھاوا دیتے ہیں جن کا سلسلہ کبھی تھمنے والا نہیں ہوتا۔

تیسری صورت میں تعلیمی پسِ منظر کا اختلاف بھی ہو سکتا ہے کہ ایک گھر میں پڑھنے وپڑھانے کا عام رواج ہوتا ہے جبکہ دوسری طرف سے پرائمری، یا سکنڈری سطح تک کی تعلیم کو جوئے شیر لانے کے مترادف گردانا جاتا ہے تو ایسی خلیج رکھنے والے خاندانوں میں بھی اختلاف بڑھ جاتا ہے۔چوتھی وجہ جو سامنے آتی ہے وہ معاشرتی ماحول کی بھی ہے کہ ایک خاندان مشترکہ طور پر رہنے کو ترجیح دیتا ہے کہ سبھی افرادِ خانہ مل وجل کر ایک ہی چھت تلے رہتے ہیں اور ایکدوسرے کے غم وخوشی میں اجتماعی طور پر شریک ہوتے ہیں اور مشترکہ خاندانی نظام

کی اس لڑی سے باہر نکلنے کو وبال جان سمجھتے ہیں تو ایسے خاندان کا جب بندھن متضاد روایات رکھنے والے خاندان سے بندھے گا تو بھی معاملات میں چپقلش کا عنصر نمایاں ہو گا کہ فریقِ ثانی کے مطابق انہیں علیحدہ زندگی بسر کرنے کی عادت ہے ،ایک پرائیویسی کا ماحول چاہیے ہوتا ہے، کوئی ایک فرد دوسرے کی زندگی میں دخل نہیں دیتا، ہر فرد شادی کے بعد صرف اپنی زندگی کو ترجیح دیتا ہے اور اسی کے مطابق اپنے اخراجات اور بجٹ کے منصوبے بناتا ہے، دوسروں کے دکھ درد میں شریک ہونے کے لیے متعدد مرتبہ سوچ وبچار کرنی پڑتی ہے اور اگر جیب اجازت دے تو محدود دورانیہ کے لیے وقت نکالا جاسکتا ہے۔ علی ہذا القیاس! تضادات کا ایک الگ جہاں ہے جسے بیان کیا جاسکتا ہے اور جس کے سبب دو خاندانوں میں تفریق پیدا کرنے والے عوامل نمایاں تر ہوتے جاتے ہیں لہذا ایسی روایات کو ذہن نشین رکھتے ہوئے رشتے وناطے طے کرنے چاہیے تاکہ جو تعلق قائم ہونے جارہاہے وہ تادم مرگ قائم رہے اور دونوں فریق خوشحال زندگی بسر کریں۔

11۔ طعن وتشنیع کے نشتر چلانا

گفتگو، طرزِ کلام یا اندازِ بیاں انسان کی فکری تربیت کا عکس ہوتا ہے اور فرد کے ماضی میں پڑھے وسیکھے گئے رسوم ورواج کی جھلک دیکھائی دیتی ہے۔ انسان کے لیے ازلی پیغام تو(وَ قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا [17]) کا ہی متعین کیا گیاہے کہ جو اس کی اطاعت وپیروی کریگا، ہمیشہ سربلند وسُرخرُو رہے گا لیکن اُس کی طبیعت ناقصہ کا یہ لازمی جزو ہے کہ غصہ، جذبات یا بہکاوے میں آکر گالم گلوچ دینے پر بھی اُتر آتا ہے کہ اِسی میں بعض اوقات اُسے ذہنی آسودگی محسوس ہوتی ہے لیکن ایسے رویّے کو لوگوں کے لیے نمونہ قرار نہیں دیا جاسکتا کہ یہ فطرتی خصائص کے برعکس بُری صفت شمار کی جاتی ہے۔ جس کے ذریعے وقتی طور پر تو ذاتی بغض وعناد، غیض وغضب یا غصے کا برملا اظہار کیا جاسکتا ہے لیکن اسی عمل کا دوسرا پہلو سننے والے کی دل آزاری ہونا بھی واضح کرتا ہے۔ گو کہ یہ رویہ انسانی طبیعت کا لازمی جزو ہے اور اسے کبھی بھی مکمل طور پر ختم نہیں کیا جاسکتا کہ کسی بھی فرد کو کبھی بھی غصہ نہ آئے یا وہ کسی بات پر غیر ارادی طور پر ردّ عمل ظاہر نہ کرے۔

غصہ !انسان پر غالب آتا ہے اور تادم مرگ جزولاینفک بن کر رہے گا لیکن ہمہ وقت اسے سر پر سوار کئے رکھنا غیر فطری عمل کہلائے گا کہ جب بھی کسی سے بات کی جائے، غصہ سے کی جائے، جب بھی کسی کو مخاطب کیا جائے، اس کی تذلیل کی جائے اور دلیل یہی اختیار کی جائے کہ متکلم کی طبیعت ہی ایسی ہے، اس میں اُسے قصوروار نہیں ٹھرایا جاسکتا، ایسی دلیل یا منطق ہر گز قابل قبول نہیں ہونی چاہئے اور اگر کسی فرد کی طبیعت میں ایسی خامی موجود ہے تو اسے پہلی فرصت میں خود کا علاج کروانا چاہیے اور بعد ازاں شادی جیسے بندھن میں بندھنا چاہیے کہ کسی ایک کی خامی کی وجہ سے دوسرے فریق کو اذیت نہیں دی جاسکتی، یا اُسے قائل نہیں کیا جاسکتا کہ وہ پوری زندگی بلاحیل وحجت ظلم وستم کا نشانہ بنتا رہے لہذا جہاں تعلیمی تربیت کا ہونا از حد ضروری شمار کیا جاتا ہے وہیں مرد وعورت میں سے جس میں بھی ایسی غیر مطلوب صفت پائی جائے اس کے جذباتی پہلو کو مدِ نظر رکھتے ہوئے علاج کروایا جانا چاہیے اور زوجین میں تفریق پیدا کرنے کے دیگر عوامل کے ساتھ ساتھ یہ عمل بھی شامل ہوتا ہے کہ دونوں ایکدوسرے کو طعن وتشنیع سے مخاطب کرنے کو ہی معمول عام بنائے رکھتے ہیں۔

اس رویّے کی متعدد وجوہات ہوسکتی ہیں جیسا کہ دونوں ایکدوسرے کو پہلے دن سے ہی پسند نہیں کرتے اور چار وناچار بندھن میں باندھ دیے گیے ہیں لیکن ذہنی طور پر ایکدوسرے کو قبول کرنے پر تیار نہیں ہورہے اور ابھی بھی من ہی من میں علیحدگی اختیار کرنے کو ہی ترجیح اوّل بنائے رکھے ہیں۔ دونوں کی عمر میں طرفین کا فرق ہوسکتا ہے کہ ایک کم عمر ہو اور دوسرے کی عمر زیادہ ہو اور دونوں ایکدوسرے سے

من چاہی آسودگی حاصل نہ کرپارہے ہوں اور بہانے بہانے سے من کا غبار نکالنے کے لیے ایسا رویّہ اختیار کرتے ہوں کہ کیسی طرح مَن کو سکون ملے۔

شادی سے قبل قائم کی گئی امید و توقعات کے مطابق مالی وسائل کا موجود نہ ہونا بھی اک وجہ تنازعہ بن سکتی ہے کہ آجکل دونوں طرف سے خواہشات کے محلات کھڑے کر لیے جاتے ہیں جو رفتہ رفتہ تعمیر ہوتے نظر نہیں آتے تو اختلافات جنم لینا شروع کرتے ہیں کہ پہلے پہل تو یہ وعدہ کیا گیا تھا جو کہ شادی کے چند مہینے گزرنے کے بعد بھی پورا ہوتا نظر نہیں آرہالہذا کیا ہوا وہ تیرا وعدہ، وہ قسم، وہ ارادہ، چونکہ وہ تمام محلات، سراب ہونے لگتے ہیں تو دونوں طعن و تشنیع کا طریقہ اختیار کرتے چلے جاتے ہیں۔ مختصرا کہا جائے تو اور بھی کئی وجوہات ممکن ہوسکتی ہیں لیکن مقصدِ تحریر یہی ہے کہ اُن پہلوؤں کی طرف توجہ دلائی جائے جو زوجین میں تنازعات پیدا ہونے کے بعد تفریق کا سبب بننے میں کلیدی کردار ادا کررہے ہیں تاکہ اُن کی روک وتھام کے لیے لائحہ عمل مرتب کیا جائے اور دونوں میں اتفاق و محبت پیدا کرنے کے لیے تگ ودو کی جائے اور رشتہ کو مضبوط تر بنانے کے لیے عملی کاوشیں بروئے کار لائی جائیں جبکہ دینِ اسلام اس حوالے سے اپنے پیروکاروں کو ہدایت دیتا ہے کہ

وَ لَا تَلْمِزُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ لَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ [18]

اور آپس میں کسی کو طعنہ نہ دو اور ایک دوسرے کے برے نام نہ رکھو۔

جبکہ فرمان نبوی ﷺ ہے کہ

لَيْسَ المُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا اللَّعَّانِ وَلَا الفَاحِشِ وَلَا البَذِيءِ [19]

مؤمن طعنہ دینے والا، لعنت کرنے والا، بے حیائی کی باتیں کرنے والا اور بدکلام نہیں ہوتا۔

لہذا زوجین کے لیے لازم ہے کہ شرعی ہدایات کو مقدم رکھیں اور اُن پر عمل پیرا ہونے کی کامل کوشش کرنی چاہیے تاکہ رشتہ بھی بچا رہے اور رب تعالی عزّوجل ور سول اللہ ﷺ کی طرف سے دی گئی ہدایات پر کامل یکسوئی سے عمل بھی ہوسکے۔

12۔والدین/سربراہانِ خانہ کا کردار

تعلق زوجین کو سنوارنے اور بگاڑنے میں والدین، سربراہان خانہ کا اہم کردار ہوتا ہے۔ دونوں اطراف سے رشتہ طے کرتے وقت مذکورہ بالا ودیگر عوامل کا انتہائی گہرائی سے جائزہ لینے کی ذمہ داری بلا تردد اُنہیں کے کندھوں پر آن پڑتی ہے لیکن اِن کا کردار صرف رشتے باندھنے تک محدود نہیں ہونا چاہیے کہ جب شادی، ولیمہ اور متعلقہ امور کی تکمیل ہوجائے تو وہ شرعی وسماجی سطح پر عائد کردہ فرائض سے بری الذمہ ہوگئے ہیں اور آئندہ کے معاملات کو زوجین اپنے فہم کے مطابق نبھائیں اور مشکلات کا سینہ ٹھونک کر سامنا کریں۔ بلاشبہ بعد از شادی، زوجین کو عملی زندگی سے جڑی ذمہ داریوں سے خود ہی نبرد آزما ہونا چاہیے تاکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اُن کی تربیت بھی ہوتی جائے لیکن کئی امورِ خانہ ایسے ہوتے ہیں جن سے اُنہیں آگاہی نہیں ہوتی، اُنہیں رہنمائی درکار ہوتی ہے کہ کیسے گھریلو اخراجات کو منظم کیا جائے، کیا کیا اشیاخوردونوش انہیں پوراسال درکار ہوں گی کہ اگر کبھی روزگار مندہ بھی پڑجائے تو گھر میں خوراک کی کمی نہیں ہونی چاہیے۔ کن پہلوؤں کی طرف خود کو زیادہ متوجہ رکھنا ہے کہ آپس کے معاملات احسن انداز میں چلتے رہیں؟ تمام تر ذمہ داریوں کو پورا

کرنے کے ساتھ ساتھ بچت کیسے کرنی ہے اور جو بچت کرنی ہے اُسے محفوظ کیسے کرنا ہے؟ اور جہاں محفوظ کریں گے، ساتھ ہی اس بات کو بھی ذہن نشین رکھنا ہے کہ خواہشات کے زیر اثر ہو کر اُس بچت کو فضول خرچیوں میں نہیں اڑانا بلکہ بوقت ضرورت اور بقدرِ ضرورت اُسے استعمال میں لانا ہے اور ایسے متعدد پہلو ہیں جن سے نوبیاہتے جوڑے کو اِس سے قبل واقفیت نہیں ہوتی اور جن سے سامنا ہونے پر انہیں بروقت رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ مشکلات میں گھِرا ہوا دیکھ کر، اُن کے ہاتھ و پاؤں نہ پھول جائیں، حواس باختہ نہ ہو جائیں جس کے سبب کسی ناکردہ جرم کے سزا انہیں بھگتنی پڑے۔

جبکہ حقیقتِ حال کا مشاہدہ کیا جائے تو آج کے دور میں دیگر مسائل کے ساتھ ساتھ والدین و سربراہانِ خانہ کی طرف سے یکطرفہ و غیر مساوی رویہّ بھی خاندانوں کے خاندان اجاڑ رہا ہے کہ جہاں والدین کو سمجھانے کا کردار ادا کرنا چاہیے، وہیں وہ خود جلتی پر تیل چھڑکنے کا کام سرانجام دے رہے ہیں۔ اگر زوجین میں سے کسی ایک فریق کو کوئی اختلاف پیدا ہو گیا ہے تو بجائے اس کہ، کہ افراد خانہ انہیں سمجھانے کی کوشش کریں، معاملہ کو سدُھار کی طرف لے کر جائیں، اس کے برعکس شادی کے قبل کی رسومات میں ہونے والے آپسی اختلافات کو ہوا دینا شروع کر دیں گے کہ لڑکی کے گھر والوں نے فلاں وقت اُن کے ساتھ ایسا رویہّ کیا تھا جس کے سبب اُن کی تذلیل ہوئی، دوسرا فریق اپنے مؤقف کو ثابت کرنے کے لیے ایک اور دلیل گھڑلے گا کہ بعینہ اُس کے ساتھ بھی غیر منصفانہ سلوک کیا تھا لیکن وہ کسی سبب اُس رویہّ کو بیان نہیں کر پایا اور اب جبکہ پردے ہٹنا شروع ہوئے ہیں تو میں بھی اپنی بات بتاتا چلوں کہ مجھے اِس رشتے سے یہ خار ہے، دراصل یہ رشتہ ہی غلط طے ہوا تھا، اسے شروع دن سے ہی نہیں ہونا چاہیے تھا و دیگر کئی عوامل اُس بحث میں شامل کر دیے جاتے ہیں جو کہ زوجین میں اختلافات کو مزید بڑھاوا دینے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں اور بات بگڑتے بگڑتے جہیز اور تحفہ تحائف کے پسند وناپسند تک پہنچتی ہے اور پھر واپسی کا سفر کبھی بھی طے نہیں ہو پاتا۔

لہذا! آج کے دور میں دونوں اطراف کے والدین و سربراہانِ خانہ کو ذمہ دارانہ رویہّ اختیار کرنا چاہیے اور افتراقی نقاط کو شامل بحث کرنے کی بجائے ہمیشہ اتفاقی عوامل کو مقدم رکھیں اور زوجین کو باہمی حسنِ سلوک کا درس دیں تاکہ بچپنے اور ناپختہ ذہنیت کے سبب ہونے والے فیصلوں سے محفوظ رہ سکیں، کیونکہ جوانی کے دور میں بعض اوقات ایسے فیصلے سرزد ہو جاتے ہیں جن کے وقتی اثرات تو بہت خوش کُن دیکھائی دیتے ہیں لیکن دوررس نتائج بڑے خطرناک ہوتے ہیں جن سے خبردار کرنا صرف والدین و سربراہان خانہ کی ہی ذمہ داری بنتی ہے کیونکہ انہوں نے عمر کا ایک حصہ ایسے احوال کی گرداب میں پھنس کر گزارہ ہوتا ہے جن سے نیوبیاہتا جوڑا ابھی آشنا نہیں ہوتا۔ لہذا والدین و سربراہان سے التماس کی جاتی ہے کہ نگران ہونے کی حیثیت سے اپنے فرائض کو سمجھیں اور انہیں پورا کرنے میں کوتاہی نہ برتیں کیونکہ فرمان نبوی ﷺ کے مطابق ہر ایک راعی ہے اور اس سے اُس کی رعایا کے بارے میں سوال کیا جائے گا جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ

> أَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، فَالْإِمَامُ الَّذِي عَلَى النَّاسِ رَاعٍ وَهْوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ وَهْوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلَى أَهْلِ بَيْتِ زَوْجِهَا وَوَلَدِهِ وَهِيَ مَسْئُولَةٌ عَنْهُمْ، وَعَبْدُ الرَّجُلِ رَاعٍ عَلَى مَالِ سَيِّدِهِ وَهْوَ مَسْئُولٌ عَنْهُ، أَلَا فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ[20]

آگاہ ہو جاؤ تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ پس امام) امیر المؤمنین (لوگوں پر نگہبان ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال ہو گا۔ مرد اپنے گھر والوں کا نگہبان ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال ہو گا اور عورت اپنے شوہر کے گھر والوں اور اس کے بچوں کی نگہبان ہے اور اس سے ان کے بارے میں سوال ہو گا اور کسی شخص کا غلام اپنے سردار کے مال کا نگہبان ہے اور اس سے اس کے بارے میں سوال ہو گا۔ آگاہ ہو جاؤ کہ تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی رعایا کے بارے میں پرسش ہو گی۔

لہذا! والدین یا سربراہان خانہ کو یہ ذمہ داری ایک نگران کی حیثیت سے ادا کرنی چاہیے اور وہ بھی ایسا نگران جس سے کل قیامت کے دن باز پُرس ہو گی، جوابدہی کی جائے گی۔ پس اُسی جواب دہی کو پیش نظر رکھتے ہوئے فرائض انجام دیں تا کہ سُرخرو ہوا جاسکے۔

تجزیۃ البحث

تعلق زوجین، رشتوں کی ایک مثلث پر انحصار کرتا ہے اور اُس مثلث میں کسی ایک طرف سے بھی تجاہلِ عارفانہ کا رویہ اختیار کیا گیا تو نقصانات کا ازالہ کرنا مشکل تر ہو جاتا ہے جیسا کہ مثلث کے ایک کونے پر زوجین کا خود کا رشتہ ہوتا ہے، دوسری طرف دونوں کے خاندانوں کا نظم وضبط برا جمان ہوتا ہے اور تیسرے کونے پر دیگر رشتے دار یا سماجی میل وملاپ ہوتا ہے جس میں تمام دوست احباب اور ملنے ملانے والے شامل ہوتے ہیں۔ رشتوں کی اِس مثلث کا ربط زوجین کو برقرار رکھنا ہوتا ہے۔ وہ خود کی ذات کو پس پشت ڈال کر دیگر دونوں اطراف کو ہی خوش کرنے میں مگن نہیں رہے سکتے کہ اس طرح توازن قائم نہیں رہے گا اور اسی طرح خود کی ذات کے ساتھ ساتھ صرف خاندانی نظام تک محدود رہنا بھی اُن کے لیے مفید ثابت نہیں ہو سکتا کہ کل کلاں جب یہ خود ایک خاندان کا نظام تشکیل دیں گے تو سماج سے ربطے میں آنا پڑے گا اور اگر سماج سے کٹ ہو کر رہیں گے تو کس طرح سماجی روابط کو بحال کر پائیں گے لہذا ان تینوں اطراف کو مساوی اہمیت دیتے ہوئے رشتے کو آگے بڑھانا ہو گا، پھر ہی توازن قائم رہے گا اور ایک معتدل خاندان تشکیل دیا جاسکے گا۔

بعینہ !زوجین کو اپنی ضروریات، خواہشات اور آسائشوں میں فرق کو جاننا ہو گا کہ اُن کے وسائل کیا ہیں؟ خاندانی سطح پر مسائل کیا ہیں؟ تحدیات کہاں تک انہیں اجازت دیتی ہیں کہ اخراجات کو بڑھایا جاسکے اور عائد کردہ ذمہ داریاں پوری کرنا کس قدر ضروری ہے؟اِن تمام پہلوؤں کو مقدم رکھتے ہوئے ضروریات سے آسائشوں تک کا سفر طے کرنا ہے، ایسا ممکن نہیں کہ شادی کے بعد دونوں خود ساختہ طور پر اپنے اپنے اہداف مقرر کریں اور پھر اُن کے حصول کے لیے جدوجہد کرنے لگیں اور اِس بے مروتی کا دونوں کے تعلق پر اثر مرتب نہ ہو، قبل از شادی اور بعد کی زندگی میں طرفین کا فرق ہوتا ہے، پہلے پہل اگر فرد کو ذاتی فیصلے لینے کا حق حاصل ہوتا ہے اور وہ کسی بھی دوسرے فریق کو اُن طے شدہ فیصلوں میں مداخلت کی اجازت دینا گوارہ نہیں کرتا تو ازدواجی زندگی میں کامل طور پر ایسا رویہ ّاپنانا کسی بھی طرز پر درست عمل نہیں گردانا جاسکتا۔ کچھ اختیارات دونوں فریقین کے پاس بحرحال رہیں گے لیکن یکسر نظر انداز کرنا ممکن نہیں لہذا اپنے رویوّں، طرزِ زندگی اور فکر میں تبدیلی لائیں اور شریک حیات کو جس طرح سفر حیات میں شریک کیا ہوتا ہے ویسے ہی دیگر معاملات میں بھی شریک کریں تا کہ یہ شراکت داری تادیر قائم رہے اور مفید و مثبت اثرات مرتب ہو سکیں۔

اسی موضوع سے جڑا ایک اور پہلو بھی توجہ طلب ہے کہ دونوں اپنے درمیان پیدا ہونے والے اختلافات میں، خاندان سے باہر کسی تیسرے فریق کو بلا ضرورت مداخلت کرنے کی اجازت ہر گز نہ دیں، جن میں خاص طور پر گلی و محلے کی دوسری عورتیں یا میل وملاپ رکھنے والے غیر متعلقہ افراد وغیرہ۔ ایسا کرنے سے ایک تو آپس کے اختلافات ،دوسروں کے سامنے عیاں ہونے لگتے ہیں اور لوگ اُن اختلافات میں اپنے ذاتی تجربات یا خواہشات کا مرچ و مصالحہ شامل کر کے پھیلانے لگتے ہیں کہ بات صرف رازدانوں تک محدود نہیں رہتی اور جہاں معاملہ میں غیر متعلقہ لوگ شامل کر لیے جائیں، اُس معاملے کو بگڑنے سے کوئی بھی نہیں روک سکتا کہ سبھی کا مفاد ایک جیسا نہیں ہو سکتا، کچھ اپنی عادتوں سے مجبور ہوتے ہیں اور کچھ کی فطرت ثانیہ ہوتی ہے کہ اُنہیں ایسا مواد چاہیے ہوتا ہے جسے آگے لوگوں کو بتا کر داد و تحسین سمیٹ سکیں۔ لہذا! مختصراً کہا جائے تو اپنے تعلق، رشتے و ناطے کے سب سے بڑے محافظ زوجین خود ہی ہوتے ہیں اگر اپنے درمیان میں شکوک و شبہات کو پیدا نہیں ہونے دیں گے یا کہیں سے ایسا معاملہ ہوتا ہوا نظر ؤیا تو فوراً ایکدوسرے سے رجوع کریں گے تو کبھی بھی اُن کے درمیان تنازعات کو جنم دینا ممکن نہ ہو پائے گا ورنہ دیگر صورتوں میں حزب الشیاطین اسی موقع کے منتظر ہوتے ہیں کہ کب انہیں کوئی اختلافی نقطہ نظر ملے اور اُسے بنیاد بنا کر زوجین میں افتراق کی صورت پیدا کی جائے اور ایک خوشحال گھر کو برباد کر دیا جائے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حوالہ جات

[1] Al-Baqara, 2:187.
[2] Al-Nisāʾ,4: 35.
[3] Āl ʻImrān, 3:159.
[4] - Al-hashr 59: 9
[5] - Al-Baqara, 2:102.
[6] . Muḥammad ibn ʻĪsā al-Tirmidhī, Sunan al-Tirmidhī (Miṣr: Sharikat Maktaba wa-Maṭbaʻa Muṣṭafā al-Bābī al-Ḥalabī, 1975), 4:660, ḥadīth 2501.
[7] .Sunan al-Tirmidhī, Abwab Al-fitan ‹4:471, ḥadīth 2174.
[8] . Bani-Esraeil 17: 27
[9] .Al-Bukhārī, Muḥammad ibn Ismāʿīl, Al-Jāmiʻ al-Bukhārī (Miṣr: Al-Sulṭāniyya bil-Maṭbaʻa al-Kubrā al-Amīriyya, 1311 AH), kitāb al-adab, 8:4, ḥadīth 5975.
[10] . Al-Jāmiʻ al-Bukhārī, kitab Al-Nikah , 7:7, ḥadīth 5090.
[11] . Muḥammad ibn ʻĪsā al-Tirmidhī, Sunan al-Tirmidhī, abwab Al-ridae, 3:458, ḥadīth 1162
[12] . Al-Baqara, 2:153.
[13] .Al-Baqara, 2:45.
[14] Al-Baqara, 2:286.
[15] - Al-Ḥujurāt, 49:12.
[16] .Abu dawud, Sulayman bn Al-asheath, Sunan 'abi dawud, (Alhind: Al-Matbaeat Al'ansariat Dihali, 1323AH), kitab Al-libas, 4:78, ḥadīth 4031
[17]. Al-Baqara, 2:83.
[18]. Al-Ḥujurāt, 49:11.
[19] .Muḥammad ibn ʻĪsā al-Tirmidhī, Sunan al-Tirmidhī, abwab Al-biri walsila, 4:350, ḥadīth 1977.
[20] Al-Bukhārī, Muḥammad ibn Ismāʿīl, Al-Jāmiʻ al-Bukhārī, kitab al-'Ahkam, 9:62, ḥadīth 7138.